www.KitaboSunnat.com

سُوْرَةُ الضُّحٰی ۹۳ مکیۃ ۱۱ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — آیاتها ۱۱ رکوعها ۱

وَ الضُّحٰى ۟ۙ﴿۱﴾ وَ الَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۟ۙ﴿۲﴾ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَ مَا قَلٰى ۟ؕ﴿۳﴾ وَ لَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ
الْاُوْلٰى ۟ؕ﴿۴﴾ وَ لَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۟ؕ﴿۵﴾

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے۔

قسم ہے دھوپ چڑھنے کے وقت کی! ① اور رات کی جب وہ چھا جائے! ② نہ تیرے رب نے تجھے چھوڑا اور نہ وہ
ناراض ہوا ③ اور یقیناً پیچھے آنے والی حالت تیرے لیے پہلی سے بہتر ہے ④ اور یقیناً عنقریب تیرا رب تجھے عطا
کرے گا، پس تو راضی ہو جائے گا ⑤

آیت 1 تا 3 ❶ وَ الضُّحٰى ۙ وَ الَّيْلِ اِذَا سَجٰى ......: "الضُّحٰى" سورج طلوع ہونے کے بعد جب پوری طرح روشن ہو جاتا ہے۔ "سَجٰى" "سَجَا يَسْجُوْ سَجْوًا" (ن) پُرسکون ہونا۔ "وَدَّعَكَ" "وَدَعَ يَدَعُ" (چھوڑنا) سے باب تفعیل ہے جو چھوڑنے میں مبالغے کا معنی رکھتا ہے۔ "قَلٰى" "قَلَى يَقْلِيْ قِلًى وَ قَلَاءً" (ض، س) "اَلرَّجُلَ اَبْغَضَهٗ" کسی سے بغض رکھنا۔

❷ جندب بن سفیان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہو گئے تو دو یا تین راتیں (تہجد کے لیے) نہ اٹھے۔ ایک عورت آئی اور کہنے لگی: ''اے محمد! مجھے امید ہے کہ تمھارا شیطان تمھیں چھوڑ گیا ہے، دو تین راتوں سے میں نے اسے تمھارے پاس آتے نہیں دیکھا۔'' اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی۔ [بخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ما ودعك ربك وما قلى ﴾ : ۴۹۵۰] جندب رضی اللہ عنہ ہی سے مروی دوسری روایت میں ہے کہ ایک دفعہ جبریل علیہ السلام نے آنے میں دیر کر دی، یہاں تک کہ مشرکین کہنے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس کے رب نے چھوڑ دیا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی۔ [طبري : ۲۴/ ۴۸۷، ح : ۳۷۸۵۷] قسم اور جواب قسم میں مناسبت یہ ہے کہ دوپہر کو سورج خوب روشن ہوتا ہے، اس کے بعد سیاہ رات چھا جاتی ہے تو کوئی بھی نہیں سمجھتا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ناراض ہونے کی وجہ سے ہے، تو وحی کی روشنی کے بعد کچھ دیر اگر وقفہ ہو گیا تو کیوں سمجھا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں چھوڑ دیا ہے؟ ایسا ہرگز نہیں ہے! بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح دن بھر آفتاب کی روشنی و گرمی کے بعد انسانی جسم کو آرام اور سکون کے لیے رات کی ضرورت ہے، اسی طرح وحی کے بارِ گراں کے بعد طبیعت کو سکون اور مزید وحی کے تحمل کے لیے وقفہ کی ضرورت ہے۔

آیت 4 وَ لَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى: اس میں آپ کو تسلی دلائی کہ ہر آنے والا لمحہ آپ کے لیے پہلے لمحے سے بہتر ہے۔ اسی طرح آئندہ بھی بعد کی ہر حالت آپ کے لیے پہلی سے بہتر ہوگی۔ نبوت کے بعد کی زندگی آپ کے لیے پہلے سے بہتر اور آخرت کی زندگی دنیا سے بہتر ہوگی۔

آیت 5 وَ لَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى: یہ مزید تسلی ہے، اس میں اللہ کی فتح و نصرت، لوگوں کا فوج در فوج اسلام میں

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ۝ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۝ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ۝

کیا اس نے تجھے یتیم نہیں پایا، پس جگہ دی ⑥ اور اس نے تجھے راستے سے ناواقف پایا تو راستہ دکھا دیا ⑦ اور اس نے تجھے تنگ دست پایا تو غنی کر دیا ⑧

داخل ہونا، زمین کے مشارق و مغارب کا آپ کی امت کے قبضے میں آنا، قیامت کو آپ کے ہاتھ میں "لِوَاءُ الْحَمْدِ" ہونا، مقام محمود ملنا، شفاعت کبریٰ، امت کی مغفرت، غرض وہ سب کچھ شامل ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دیا اور دے گا۔

آیت 6 اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى: "اٰوٰى يُؤْوِيْ إِيْوَاءً" (افعال) جگہ دینا۔ اس میں آپ کے ابتدائی حالات کا بیان ہے، آپ ماں کے پیٹ میں تھے کہ والد فوت ہو گئے۔ والدہ نے آپ کو پالا۔ چھ برس کے تھے کہ والدہ فوت ہو گئیں، پھر دادا نے پرورش کی۔ آٹھ برس کے تھے کہ وہ بھی فوت ہو گئے، پھر چچا ابوطالب نے میوں سے بڑھ کر پالا۔ یہ سب اسباب اللہ تعالیٰ ہی نے اپنے فضل سے مہیا کیے۔

آیت 7 وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى: نبوت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کی برائی سے آپ کی حفاظت فرمائی، حتیٰ کہ فرمایا: ﴿فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ [یونس: ۱۶] "(انھیں کہہ دو کہ) یقیناً میں نے نبوت سے پہلے ایک عمر تم میں گزاری ہے، کیا تم عقل نہیں کرتے؟" مگر اللہ تعالیٰ کی عبادت کا صحیح طریقہ کیا ہے، یہ آپ کو معلوم نہ تھا، یہ اس وقت معلوم ہوا جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت عطا فرمائی، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۭ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ﴾ [الشوریٰ: ۵۲] "اور اسی طرح ہم نے تیری طرف اپنے حکم سے ایک روح کی وحی کی، تو نہیں جانتا تھا کہ کتاب کیا ہے اور نہ یہ کہ ایمان کیا ہے۔" اس آیت میں اس احسان کا ذکر ہے کہ تم راستے سے ناواقف تھے، تو وہ تمھیں ہم نے بتایا۔ اس کے علاوہ دیکھیے سورۂ ہود (۴۹)، عنکبوت (۴۸) اور سورۂ قصص (۸۶)۔

آیت 8 وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى: "عَالَ يَعِيْلُ عَيْلًا وَ عَيْلَةً" (ض) فقیر ہونا۔ "عَآئِلًا" فقیر۔ سورۂ توبہ میں فرمایا: ﴿وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ﴾ [التوبۃ: ۲۸] "اور اگر تم کسی قسم کے فقر سے ڈرتے ہو تو اللہ جلد ہی تمھیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔" رسول اللہ ﷺ کے والد آپ کی پیدائش سے پہلے ہی فوت ہو گئے، انھوں نے اپنی میراث میں ایک لونڈی ام ایمن کے علاوہ کوئی زیادہ مال نہیں چھوڑا۔ بچپن میں اپنے فقر کا حال رسول اللہ ﷺ نے خود بیان فرمایا، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: « مَا بَعَثَ اللّٰهُ نَبِيًّا إِلَّا رَعَى الْغَنَمَ، فَقَالَ أَصْحَابُهُ وَأَنْتَ؟ فَقَالَ نَعَمْ، كُنْتُ أَرْعَاهَا عَلَى قَرَارِيطَ لِأَهْلِ مَكَّةَ » [بخاري، الإجارة، باب رعي الغنم على قراريط: ۲۲۶۲] "اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی نہیں بھیجا جس نے بھیڑ بکریاں نہ چرائی ہوں۔" آپ کے صحابہ نے کہا: "اور آپ نے بھی (چرائی ہیں)؟" آپ ﷺ نے فرمایا: "میں انھیں مکہ والوں کے لیے چند قیراطوں پر چرایا کرتا تھا۔" ظاہر ہے اگر آپ ﷺ کے پاس اپنی یا ابوطالب کی بھیڑ بکریاں ہی ہوتیں تو آپ کو اہل مکہ کی بھیڑ بکریاں اجرت پر چرانے کی کیا ضرورت تھی۔ اتنے

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝۹ وَ اَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝۱۰ وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝۱۱

پس لیکن یتیم، پس (اس پر) سختی نہ کر ۝۹ اور لیکن سائل، پس (اسے) مت جھڑک ۝۱۰ اور لیکن اپنے رب کی نعمت، پس (اسے) بیان کر ۝۱۱

افلاس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس طرح غنی کر دیا کہ مکہ کی سب سے مال دار خاتون خدیجہ رضی اللہ عنہا نے پہلے آپ کو تجارت میں شریک کیا، پھر آپ ﷺ سے نکاح کر لیا اور اپنا تمام مال آپ کے حوالے کر دیا۔ پھر وہ وقت بھی آیا کہ آپ کے پاس بنو نضیر، بنو قریظہ، خیبر، بحرین اور یمن وغیرہ کی غنیمتوں اور خراج کے ڈھیر لگ گئے۔ یہ مالی غنا تھا، اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا قلبی غنا بھی عطا فرمایا تھا کہ آپ اس طرح بے دریغ خرچ کرتے تھے جیسے آپ کو فقر کا کوئی خوف ہی نہ ہو۔

آیت 9 فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ : آپ نے یتیمی اور اس کی تلخی اور بے چارگی دیکھی ہے اور یہ بھی دیکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح آپ کو جگہ دی اور آپ پر بے پناہ مہربانیاں فرمائیں، اب دونوں چیزوں کا تقاضا ہے کہ یتیم پر سختی نہ کرو بلکہ زیادہ سے زیادہ حسنِ سلوک کرو۔

آیت 10 وَ اَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ : اسی طرح آپ نے تنگ دستی دیکھی ہے اور اللہ تعالیٰ کا غنی کرنا بھی، ان دونوں کا تقاضا ہے کہ سائل کی ضرورت پوری کرو۔ اگر نہیں کر سکتے تو لطف و کرم سے پیش آؤ، جھڑکی نہ دو اور آپ نے کتاب اور ایمان سے ناواقفی کا زمانہ دیکھا ہے، پھر اللہ نے آپ کو یہ نعمتیں دیں، اب اگر کوئی علم کے متعلق سوال کرے یا کسی چیز کا سوال کرے تو اسے ڈانٹنا ہرگز نہیں! بلکہ کوئی علم کا طالب ہو یا مال کا، اس سے حسنِ خلق کے ساتھ پیش آئیں، اس کی حاجت پوری کریں یا اچھے طریقے سے عذر پیش کر دیں۔

آیت 11 وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ : اور شکر ادا کرنے کے لیے اپنے رب کی نعمتوں کا تذکرہ کرتے رہو۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۙ﴿۱﴾ وَ وَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۙ﴿۲﴾ الَّذِيْۤ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۙ﴿۳﴾

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے۔

کیا ہم نے تیرے لیے تیرا سینہ نہیں کھول دیا ﴿۱﴾ اور ہم نے تجھ سے تیرا بوجھ اتار دیا ﴿۲﴾ وہ جس نے تیری کمر توڑ دی ﴿۳﴾

آیت 1 اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ: سینہ کھول دینے سے مراد اسلام کے حق ہونے پر اطمینان، دل کا نورِ ہدایت سے روشن ہونا اور ذکرِ الٰہی سے نرم ہونا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ﴾ [الأنعام: ۱۲۵] ''تو جسے اللہ ہدایت دینے کا ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۭ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ [الزمر: ۲۲] ''تو کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہے، سو وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر ہے (وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو ایسا نہیں؟) پس ویل ہے ان لوگوں کے لیے جن کے دل اللہ کی یاد کی طرف سے سخت ہیں، یہ لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔'' اس کے علاوہ شرح صدر سے مراد طبیعت کا رسالت کی ذمہ داریاں اٹھانے کے لیے خوش دلی کے ساتھ آمادہ ہونا بھی ہے، جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پاس جانے کا حکم ہوا تو انھوں نے کہا: ﴿وَ يَضِيْقُ صَدْرِيْ﴾ [الشعراء: ۱۳] ''اور میرا سینہ اس سے تنگ ہوتا ہے۔'' اور دعا کی: ﴿رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ﴾ [طٰہٰ: ۲۵] ''اے میرے رب! میرے لیے میرا سینہ کھول دے۔''

شرح صدر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن میں اور نزولِ وحی کے آغاز میں اور معراج کی رات شق صدر کے بعد آپ کے سینے کو ایمان و حکمت سے بھر دینا بھی شامل ہے، جیسا کہ صحیحین اور دوسری کتب احادیث میں آیا ہے۔

آیت 3,2 وَ وَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ..... : بوجھ اتار دینے سے مراد وحی الٰہی برداشت کرنے کی استعداد پیدا کرنا ہے، جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا﴾ [المزمل: ۵] ''یقیناً ہم تجھ پر ایک بھاری بات نازل کریں گے۔'' حدیث میں ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی اترتی تو اس کے بوجھ سے وہ اونٹنی جس پر آپ سوار ہوتے بیٹھ جاتی۔ [مسند أحمد: ۱۱۸/۲، ح: ۶۶۴۳، سندہ صحیح] اس کے علاوہ نبوت کی ذمہ داریوں کا بوجھ بھی مراد ہے، جسے آپ بہت شدت سے محسوس کرتے تھے، جیسا کہ فرمایا: ﴿لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ﴾ [الشعراء: ۳] ''شاید آپ اپنے آپ کو اس لیے ہلاک کر لیں گے کہ یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے۔'' اللہ تعالیٰ نے یہ کہہ کر یہ بوجھ بھی اتار دیا: ﴿لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ﴾ [البقرۃ: ۲۷۲] ''تیرے ذمے انھیں ہدایت دینا نہیں اور لیکن اللہ ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے۔''

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝۴ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝۵ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝۶

اور ہم نے تیرے لیے تیرا ذکر بلند کر دیا ④ پس بے شک ہر مشکل کے ساتھ ایک آسانی ہے ⑤ بے شک اسی مشکل کے ساتھ ایک اور آسانی ہے ⑥

آیت 4 ① وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ: یعنی دنیا اور آخرت میں آپ کا نام بلند کیا، زمین کے مشرق و مغرب تک آپ کی امت کی حکومت پھیلا دی، کلمۂ شہادت، اذان، اقامت اور خطبہ و تشہد وغیرہ میں اللہ کے نام کے ساتھ آپ کا نام بھی لیا جاتا ہے۔ اللہ کی اطاعت کے ساتھ آپ کی اطاعت فرض ہے، کوئی وقت ایسا نہیں جس میں کہیں نہ کہیں آپ کا ذکر خیر نہ ہو رہا ہو۔ قیامت کو اولاد آدم کی سیادت، کوثر، لواء الحمد، مقام محمود اور شفاعت کبریٰ کے ساتھ آپ کا ذکر بلند ہوگا۔

② یہاں تین نعمتوں کا ذکر ہے، شرح صدر، وضع وزر اور رفع ذکر، تینوں کو بیان کرتے ہوئے "لَكَ" یا "عَنْكَ" فرمایا، اس میں آپ ﷺ کی عزت افزائی کا اظہار ہو رہا ہے کہ یہ سب کچھ آپ کی خاطر کیا گیا ہے۔

آیت 6،5 ① فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا.....: اس میں آپ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کے لیے بشارت ہے کہ مشکلات کے دن تھوڑے ہیں، ہر مشکل کے بعد بلکہ اس کے ساتھ ہی آسانی شروع ہو جاتی ہے۔ "اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا" کا یہی مطلب ہے۔ دوسری بشارت یہ ہے کہ ایک ایک مشکل کے ساتھ دو دو آسانیاں ہیں۔ ابن کثیر نے ابن ابی حاتم کے حوالے سے ان کی سند کے ساتھ حسن بصری رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے، انھوں نے فرمایا: "كَانُوْا يَقُوْلُوْنَ لَا يَغْلِبُ عُسْرٌ وَاحِدٌ يُسْرَيْنِ اثْنَيْنِ" "وہ (صحابہ) کہا کرتے تھے کہ ایک مشکل دو آسانیوں پر غالب نہیں آسکتی۔" ابن کثیر کے محقق حکمت بن بشیر نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔ ابن کثیر نے اس کی تفصیل یہ بیان فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دہرا کر یہ بات فرمائی ہے: ﴿فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا﴾ اور عربی زبان کا قاعدہ ہے کہ اگر کوئی اسم دوسری دفعہ معرفہ ہو کر آئے تو اس سے مراد پہلا اسم ہی ہوتا ہے اور اگر وہ پہلے نکرہ آئے اور دوبارہ بھی نکرہ ہو کر آئے تو وہ پہلے نکرہ سے الگ ہوتا ہے۔ یہاں دوسری دفعہ "الْعُسْرِ" معرفہ آیا ہے جب کہ "يُسْرًا" دوسری دفعہ بھی نکرہ ہو کر آیا ہے، تو معنی یہ ہوا کہ "اسی پہلی مشکل کے ساتھ ایک اور آسانی ہے۔" یعنی ایک مشکل کے ساتھ دو آسانیاں ہیں۔ اس قاعدے کی ایک مثال سورۂ مزمل میں ہے، فرمایا: ﴿اِنَّاۤ اَرْسَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ۢ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَاۤ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ۝ فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ﴾ [المزمل: ۱۵، ۱۶] "ہم نے تمھاری طرف ایک رسول بھیجا جو تم پر شہادت دینے والا ہے، جس طرح ہم نے فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا، تو فرعون نے اس رسول کی نافرمانی کی۔" پہلے "رَسُوْلًا" سے مراد ہمارے نبی کریم ﷺ ہیں، دوسرے سے موسیٰ علیہ السلام اور تیسرا "الرَّسُوْلَ" معرفہ آیا ہے اور اس سے مراد وہی رسول ہے جو اس سے پہلے مذکور ہے اور وہ موسیٰ علیہ السلام ہیں۔

② یاد رہے کہ نکرہ کو دوبارہ نکرہ کی صورت میں لانے کا یہ قاعدہ اکثر مفسرین نے بیان کیا ہے، مگر یہ قاعدہ کلیہ نہیں بلکہ مشہور نحوی ابن ہشام نے "مغنی اللبیب" میں اسے خطا قرار دیا ہے، کیونکہ کئی دفعہ ایسا نہیں ہوتا۔ اس لیے ابن عاشور نے

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۝۷ وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝۸

تو جب تو فارغ ہو جائے تو محنت کر ⑦ اور اپنے رب ہی کی طرف پس رغبت کر ⑧

''التحریر والتنویر'' میں اور زمخشری نے ''کشاف'' میں حسن بصری اور قتادہ کے اقوال اور بعض مرسل روایات میں آنے والی بات کہ ''لَنْ يَغْلِبَ عُسْرٌ يُسْرَيْنِ'' (ایک مشکل دو آسانیوں پر ہرگز غالب نہیں آئے گی) کے متعلق فرمایا کہ آیت سے یہ بات اس کے تکرار کی وجہ سے نکلتی ہے، اس قاعدے کی وجہ سے نہیں، پھر دونوں مفسروں نے اپنے اپنے انداز سے اس کی تفصیل بیان فرمائی ہے۔

آیت 8,7 ① فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ.....: آپ کے دنیا کے کام ہوں یا تبلیغ دین یا جہاد فی سبیل اللہ، اگرچہ یہ سب عبادات اور نیکیاں ہیں مگر ان میں پھر بھی مخلوق سے کچھ نہ کچھ رابطہ رہتا ہے، جب بھی ان کاموں سے کچھ فراغت ملے، تو ہر چیز سے منقطع ہو کر اپنے رب سے تعلق جوڑ کر ذکر الٰہی، تلاوتِ قرآن، قیام اور رکوع و سجود کی محنت کریں اور اپنی تمام رغبت اپنے رب ہی کی طرف رکھیں۔ یہ وہی بات ہے جو سورۂ مزمل کے شروع میں کہی گئی ہے، فرمایا: ﴿إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا ۝ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا﴾ [المزمل: ۷، ۸] ''یقیناً تجھے دن میں بہت لمبی مصروفیت ہے اور اپنے رب کا نام ذکر کر اور ہر طرف سے کٹ کر اسی کی طرف متوجہ ہو جا۔''

② فَانْصَبْ: ''نصِبَ يَنْصَبُ نَصَبًا'' (س) کے مفہوم میں محنت و مشقت کے ساتھ تھکن بھی شامل ہے، یعنی صرف راحت کے وقت ہی نہیں، طبیعت کے نہ چاہتے ہوئے بھی عبادت اور ذکر الٰہی کی مشقت جاری رکھ۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ رات کے وقت اتنا قیام کرتے کہ آپ کے پاؤں پر ورم آ جاتا، جیسا کہ صحیحین میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

سورۃ التین ۹۵ مکیۃ ۲۸ — بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ — آیاتہا ۸ رکوعاتہا ۱

وَالتِّيۡنِ وَالزَّيۡتُوۡنِ ۙ﴿۱﴾ وَ طُوۡرِ سِيۡنِيۡنَ ۙ﴿۲﴾ وَ هٰذَا الۡبَلَدِ الۡاَمِيۡنِ ۙ﴿۳﴾ لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِيۡۤ اَحۡسَنِ تَقۡوِيۡمٍ ۫﴿۴﴾ ثُمَّ رَدَدۡنٰهُ اَسۡفَلَ سٰفِلِيۡنَ ۙ﴿۵﴾

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے۔

قسم ہے انجیر کی! اور زیتون کی! ① اور طور سینین کی! ② اور اس امن والے شہر کی! ③ بلاشبہ یقیناً ہم نے انسان کو سب سے اچھی بناوٹ میں پیدا کیا ہے ④ پھر ہم نے اسے لوٹا کر نیچوں سے سب سے نیچا کر دیا ⑤

آیت 1 وَالتِّيۡنِ وَالزَّيۡتُوۡنِ: انجیر اور زیتون دو ایسے پھل ہیں جو اپنی جامعیت اور فوائد کی کثرت میں انسان کے جامع الفضائل ہونے کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں، اس لیے انھیں انسان کے احسنِ تقویم میں پیدا کیے جانے کے شاہد کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اکثر مفسرین نے انجیر اور زیتون سے مراد سر زمین شام لی ہے جہاں یہ کثرت سے ہوتے ہیں اور جہاں عیسیٰ علیہ السلام اور اللہ کے بہت سے پیغمبر پیدا ہوئے ہیں اور یہی بات راجح ہے، کیونکہ اس کے بعد طور سینا اور بلد امین کا ذکر ہے۔

آیت 2 وَ طُوۡرِ سِيۡنِيۡنَ: طورِ سینا جہاں اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلام ہوئے۔ مزید دیکھیے سورۂ مومنون (۲۰)۔

آیت 3 وَ هٰذَا الۡبَلَدِ الۡاَمِيۡنِ: شہر مکہ جو ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام نے آباد کیا اور جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ اسے بلد امین اس لیے فرمایا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اس کے لیے دعا کی تھی: ﴿ رَبِّ اجۡعَلۡ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا ﴾ [البقرۃ : ۱۲۶] ”اے میرے رب! اس (جگہ) کو ایک امن والا شہر بنا دے۔“

آیت 4 لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ ...... : قسم اور جوابِ قسم میں مناسبت یہ ہے کہ سر زمین شام میں پیدا ہونے والے جلیل القدر پیغمبروں اور طور سینا اور شہر مکہ کی شہرت کا باعث بننے والے پیغمبروں کی زندگی اس بات کی شاہد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہترین بناوٹ میں پیدا کیا ہے۔

آیت 5 ثُمَّ رَدَدۡنٰهُ اَسۡفَلَ سٰفِلِيۡنَ: اس بہترین بناوٹ میں اس کی شکل و صورت کا حسن، اس کی عقل، اس کی فطرت پر پیدائش اور وہ سب کچھ شامل ہے جو کسی حیوان کو حاصل نہیں۔ پھر اگر وہ اس عقل اور فطرت کے تقاضوں پر عمل نہ کرے بلکہ انسانیت سے اتر کر حیوانیت میں جا گرے اور شہوت و غضب اور دوسری حیوانی صفات سے مغلوب ہو جائے، تو اس سے زیادہ نیچا اور ذلیل کوئی نہیں، کیونکہ پھر وہ اس حد تک گر جاتا ہے کہ کوئی حیوان نہیں بھی گرتا، حتیٰ کہ وہ اپنے مالک و خالق کو بھی بھول جاتا ہے، اس کے ساتھ شریک بنانے لگتا ہے اور زمین میں ایسا فساد برپا کرتا ہے جو کوئی حیوان بھی نہیں کر سکتا۔ ظاہر ہے کہ اس کا نتیجہ آگ ہے اور اس میں گرنے والوں سے نیچا اور ذلیل کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ انھی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اُولٰٓئِكَ كَالۡاَنۡعَامِ بَلۡ هُمۡ اَضَلُّ ﴾ [الأعراف : ۱۷۹] ”یہ لوگ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے ہیں۔“

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ﴿٦﴾ فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّينِ ﴿٧﴾ أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِينَ ﴿٨﴾

مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے تو ان کے لیے ختم نہ ہونے والا اجر ہے ⑥ پس اس کے بعد کون سی چیز تجھے جزا کے بارے میں جھٹلانے پر آمادہ کرتی ہے؟ ⑦ کیا اللہ سب حاکموں سے بڑا حاکم نہیں ہے؟ ⑧

آیت 6 إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ..... : اور اگر یہ احسنِ تقویم کے مطابق ایمان لا کر عملِ صالح کرے تو اس کو ایسا اجر ملے گا جو کبھی منقطع نہیں ہوگا۔

آیت 7 فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّينِ: اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہترین ساخت میں پیدا کیا، پھر بعض نے تو اس ساخت کے تقاضوں کے مطابق ایمان اور عمل صالح اختیار کیا اور بعض نافرمانی کی وجہ سے ''اسفل السافلین'' ٹھہرے۔ ان دونوں کے عمل کا لازمی نتیجہ ہے کہ ایک دن ایسا ہو جس میں ہر ایک کو نیکی اور بدی کی جزا و سزا دی جائے۔ اتنی واضح دلیل کے بعد اے انسان! تجھے کون سی چیز آمادہ کر رہی ہے کہ تو جزا کو جھٹلا دے؟ اس کا دوسرا ترجمہ یہ ہے: ''اے نبی! اس کے بعد کون ہے جو تجھے جزا کے بارے میں جھٹلائے؟''

آیت 8 أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِينَ: کوئی معمولی سا انصاف کرنے والا ہو وہ بھی اپنے اختیار میں جزا و سزا کا اہتمام کیے بغیر نہیں رہے گا، تو اللہ جو سب حاکموں سے بڑا حاکم ہے، وہ اس کا اہتمام کیوں نہیں کرے گا؟

ترمذی وغیرہ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی سورت "وَالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ" پڑھے اور "أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِينَ" پر پہنچے تو کہے: « بَلَى وَ أَنَا عَلَى ذَلِكَ مِنَ الشَّاهِدِينَ » [ترمذي، تفسير القرآن، باب و من سورة والتين : ٣٣٤٧] ''کیوں نہیں! اور میں اس پر شہادت دینے والوں میں سے ہوں۔'' مگر یہ روایت صحیح نہیں، کیونکہ ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک اعرابی نے یہ روایت بیان کی ہے جس کا نام ہی معلوم نہیں۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

سورۃ العلق ٩٦ مکیۃ ١ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — آیاتها ١٩ رکوعها ١

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۚ﴿۱﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ﴿۲﴾ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ﴿۳﴾ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ﴿۴﴾

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے۔

اپنے رب کے نام سے پڑھ جس نے پیدا کیا ① اس نے انسان کو ایک جمے ہوئے خون سے پیدا کیا ② پڑھ اور تیرا رب ہی سب سے زیادہ کرم والا ہے ③ وہ جس نے قلم کے ساتھ سکھایا ④

یہ قرآن مجید کی پہلی وحی ہے جو رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک لمبی حدیث میں وحی کے آغاز کا ذکر ہے کہ وہ سچے خوابوں سے ہوا، پھر آپ ﷺ غار حرا میں کئی کئی راتیں خلوت اختیار کرنے لگے۔ وہیں آپ کے پاس فرشتہ آیا اور آپ سے کہا: « اِقْرَاْ » ”پڑھ۔“ آپ نے کہا: « مَا أَنَا بِقَارِئٍ » ”میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔“ جبریل علیہ السلام نے آپ کو زور سے دبایا اور پھر وہی لفظ ”اِقْرَاْ“ کہا۔ آپ وہی جواب ”مَا أَنَا بِقَارِئٍ“ دیتے رہے۔ تیسری دفعہ زور سے دبانے کے بعد فرشتے نے کہا: ﴿ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۚ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ﴾ [العلق : ۱ تا ٥] [دیکھیے بخاري، التفسیر، باب : ٤٩٥٣]

آیت 1 ① اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ: پہلی وحی میں پڑھنے کا حکم دینے سے پڑھنے کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔

② اللہ تعالیٰ نے پڑھنے کا حکم دیتے وقت اپنے رب ہونے اور پیدا کرنے کی نعمت کا ذکر فرمایا، کیونکہ سب سے پہلی اور بڑی نعمت پیدا کرنا ہے، باقی تمام نعمتیں اس کے بعد ہیں، خلق ہی نہ ہو تو کچھ بھی نہیں۔ دوسری نعمت رب ہونا، یعنی پرورش کرنا ہے۔ یعنی ان نعمتوں والی ہستی کے نام کی برکت سے پڑھ، اس کی برکت سے تو قاری بھی بن جائے گا۔

③ ”الَّذِيْ خَلَقَ“ (جس نے پیدا کیا) کا مفعول حذف کر دیا گیا ہے کہ کسے پیدا کیا؟ یعنی جب پیدا کرنا اسی کا کام ہے، تو پھر یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ کسے پیدا کیا۔

آیت 2 خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ: رحم میں قرار پکڑنے کے بعد نُطفہ سب سے پہلے ”علقہ“ کی شکل اختیار کرتا ہے۔ ”عَلِقَ يَعْلَقُ“ (س) چمٹنے کو کہتے ہیں۔ ”عَلَقَةٌ“ جما ہوا خون، جو رحم کی دیوار کے کسی حصے سے چپک جاتا ہے۔ ”علقہ“ کا دوسرا معنی جونک ہے، وہ بھی کسی نہ کسی کو چمٹ جاتی ہے۔ خون کی وہ پھٹکی شکل وصورت میں جونک سے ملتی جلتی ہوتی ہے، اس میں نہ جان ہوتی ہے نہ شعور اور نہ عقل و علم۔ پھر اللہ تعالیٰ اس حقیر سی پھٹکی سے انسان جیسی عظیم مخلوق پیدا فرما دیتا ہے۔

آیت 4،3 ① اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ...... : رسول اللہ ﷺ کے دہشت زدہ ہو جانے کی وجہ سے دوبارہ فرمایا، پڑھ! تجھے وہ پڑھا رہا ہے جس سے زیادہ کرم والا کوئی نہیں۔

② یہ اس کے کرم کی انتہا ہے کہ اتنی حقیر چیز سے پیدا ہونے والے انسان کو علم جیسی بلند ترین صفت سے نواز دیا، بلکہ قلم کے ساتھ علم سکھایا، جس سے علم محفوظ ہوتا اور ایک آدمی سے دوسرے آدمی اور ایک نسل سے دوسری نسل تک پہنچتا ہے، یہ نہ ہوتا تو

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ﴿٥﴾ كَلَّاۤ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰۤى ﴿٦﴾ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ﴿٧﴾ اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ﴿٨﴾ اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى ﴿٩﴾ عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ﴿١٠﴾ اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰۤى ﴿١١﴾ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى ﴿١٢﴾ اَرَءَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰى ﴿١٣﴾ اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ﴿١٤﴾

اس نے انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا ﴿٥﴾ ہرگز نہیں، بے شک انسان یقیناً حد سے نکل جاتا ہے ﴿٦﴾ اس لیے کہ وہ اپنے آپ کو دیکھتا ہے کہ غنی ہوگیا ہے ﴿٧﴾ یقیناً تیرے رب ہی کی طرف لوٹنا ہے ﴿٨﴾ کیا تو نے اس شخص کو دیکھا جو منع کرتا ہے ﴿٩﴾ ایک بندے کو جب وہ نماز پڑھتا ہے ﴿١٠﴾ کیا تو نے دیکھا اگر وہ ہدایت پر ہو ﴿١١﴾ یا اس نے پرہیز گاری کا حکم دیا ہو ﴿١٢﴾ کیا تو نے دیکھا اگر اس (منع کرنے والے) نے جھٹلایا اور منہ موڑا ﴿١٣﴾ تو کیا اس نے یہ نہ جانا کہ اللہ دیکھ رہا ہے ﴿١٤﴾

علم محدود اور پھر معدوم ہو جاتا۔

آیت 5 عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ : انسان پیدا ہوتا ہے تو کچھ بھی نہیں جانتا (دیکھیے نحل : ٧٨) اللہ تعالیٰ ہی اسے آہستہ آہستہ سب کچھ سکھاتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ہی اپنے ایک اَن پڑھ بندے کو عالم بلکہ عالموں کا استاذ بنائے گا۔

آیت 6 تا 8 ❶ كَلَّاۤ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰۤى ...... : "كَلَّاۤ" کا معنی "ہرگز نہیں"، "خبردار" اور "حق یہ ہے" میں سے موقع کی مناسبت سے کوئی بھی ہو سکتا ہے۔ "الرُّجْعٰى" "رَجَعَ يَرْجِعُ" (ض) سے "بُشْرٰى" کے وزن پر مصدر ہے۔

❷ یہ آیات پہلی پانچ آیات کے بعد وقفہ سے نازل ہوئیں، جب ابوجہل نے آپ کو نماز پڑھنے سے روکا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے کہ ابوجہل آیا اور کہنے لگا: "کیا میں نے تمھیں اس سے منع نہیں کیا؟" یہ بات اس نے تین بار کہی۔ نبی ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو اسے ڈانٹا، اس پر ابوجہل کہنے لگا: "تم جانتے ہو اس شہر میں مجلس کے ساتھی مجھ سے زیادہ کسی کے نہیں۔" تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات اتاریں: ﴿فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ ۙ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ﴾ [العلق : ١٧، ١٨] "پس وہ اپنی مجلس کو بلا لے۔ ہم عنقریب جہنم کے فرشتوں کو بلائیں گے۔" [ترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ اقرأ باسم ربك : ٣٣٤٩] ترمذی اور البانی رحمہما اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔

❸ سورت کی ابتدائی پانچ آیات کے ساتھ ان آیات کی مناسبت یہ ہے کہ انسان اتنی نعمتیں جو اوپر ذکر ہوئیں، ملنے کے باوجود احسان ماننے اور شکر کرنے کے بجائے سرکشی اختیار کرتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ اسے ضرورت کی ہر چیز دے کر دوسروں سے غنی کر دیتا ہے تو وہ بندگی کی حد سے نکل کر مقابلے پر آ جاتا ہے۔ فرمایا، بندے! جتنی چاہے سرکشی کر لے، یقیناً تجھے اپنے رب کے پاس واپس آنا ہے۔

آیت 9 تا 14 اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى ...... : ان آیات میں ابوجہل کے رویے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ فرمایا،

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۙ لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِيَةِ ﴿۱۵﴾ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ﴿۱۶﴾ فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ ﴿۱۷﴾ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ﴿۱۸﴾

ہرگز نہیں، یقیناً اگر وہ باز نہ آیا تو ہم ضرور اسے پیشانی کے بالوں کے ساتھ گھسیٹیں گے ﴿۱۵﴾ پیشانی کے ان بالوں کے ساتھ جو جھوٹے ہیں، خطا کار ہیں ﴿۱۶﴾ پس وہ اپنی مجلس کو بلا لے ﴿۱۷﴾ ہم عنقریب جہنم کے فرشتوں کو بلا لیں گے ﴿۱۸﴾

اے مخاطب! بھلا تو نے اس شخص کو دیکھا جو اللہ کے بندے یعنی رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھنے سے منع کرتا ہے؟ بھلا یہ بھی کوئی جرم ہے جس سے وہ منع کر رہا ہے؟ پھر تو نے دیکھا، اگر یہ نماز پڑھنے والا راہِ راست پر ہو یا امر بالمعروف کر رہا ہو تو کیا اس سے یہ سلوک ہونا چاہیے؟ پھر کیا تو نے دیکھا کہ اگر یہ منع کرنے والا جھٹلا رہا ہو اور منہ موڑ رہا ہو تو کیا اسے معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے؟ آیت: ﴿ اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰٓى ۙ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى ﴾ کی ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ کیا تو نے دیکھا کہ یہ نماز سے منع کرنے والا نماز سے روکنے کے بجائے ہدایت پر ہوتا یا نیکی کا حکم دیتا تو کیا ہی اچھا ہوتا۔

آیت 15 تا 18 ① كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۙ لَنَسْفَعًۢا.....: "لَمْ يَنْتَهِ" (وہ باز نہ آیا) "اِنْتَهٰى يَنْتَهِيْ اِنْتِهَاءً" (افتعال) سے جحد معلوم ہے۔ "يَنْتَهِ" اصل میں "يَنْتَهِيْ" تھا، حرف جزم "لَمْ" کی وجہ سے یاء گر گئی۔ "لَنَسْفَعًۢا" اصل میں "لَنَسْفَعَنْ" ہے، جو "سَفَعَ يَسْفَعُ" (ف) (زور سے کھینچ کر گھسیٹنا) سے جمع متکلم مضارع معلوم بانون تاکید خفیفہ ہے۔ چونکہ وقف کی حالت میں نون تاکید خفیفہ "الف" کے ساتھ بدل جاتا ہے، جیسا کہ نون تنوین "الف" کے ساتھ بدل جاتا ہے، اس لیے نون تنوین "خَبِيْرًا" اور "بَصِيْرًا" کی طرح اسے بھی "لَنَسْفَعَنْ" کے بجائے "لَنَسْفَعًا" کی صورت میں لکھا گیا ہے اور اس میں مصحف عثمانی کی پیروی کی گئی ہے۔ "وَ لَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ" بھی ایسے ہی ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے سورۂ یوسف کی آیت (۳۲) کی تفسیر۔

"اَلنَّاصِيَةُ" سر کے اگلے حصے کے بالوں کو "ناصیہ" کہا جاتا ہے۔ "الزَّبَانِيَةَ" "زِبْنِيَةٌ" کی جمع ہے۔ عرب پولیس کے سپاہی کو "زِبْنِيَةٌ" کہتے ہیں۔ یہ "زَبَنَ يَزْبِنُ زَبْنًا" (ض) سے مشتق ہے جس کا معنی "ہٹانا، دھکا دینا" ہے۔ چونکہ افسر جس سے ناراض ہو سپاہی اسے دھکے مار کر نکال دیتے ہیں، اس لیے انھیں "زبانیہ" کہا جاتا ہے۔ یہاں جہنم کے فرشتے مراد ہیں کہ اگر یہ باز نہ آیا تو وہ اسے دھکے دے کر نکال دیں گے، بلکہ اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے۔

② ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابو جہل نے کہا: "کیا محمد (ﷺ) تمھارے ہوتے ہوئے اپنا چہرہ زمین پر رکھتا ہے؟" کہا گیا: "ہاں!" ابو جہل نے کہا: "لات اور عزیٰ کی قسم! اگر میں نے اسے ایسا کرتے ہوئے دیکھ لیا تو اس کی گردن روند ڈالوں گا، یا اس کے چہرے کو مٹی سے لت پت کر دوں گا۔" چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، آپ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے۔ اس کا ارادہ آپ کی گردن کو روندنے کا تھا، اچانک لوگوں نے دیکھا کہ وہ ایڑیوں پر واپس پلٹ رہا ہے اور دونوں ہاتھوں کے

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

كَلَّا ۫ لَا تُطِعْهُ وَ اسْجُدْ وَ اقْتَرِبْ ﴿۱۹﴾ السجدة

ہرگز نہیں، اس کا کہنا مت مان اور سجدہ کر اور بہت قریب ہو جا ﴿۱۹﴾

ساتھ کسی چیز سے بچ رہا ہے۔ اس سے پوچھا گیا: ''تجھے کیا ہوا؟'' اس نے کہا: ''میرے اور اس کے درمیان آگ کی ایک خندق، بڑا ہولناک منظر اور پَر ہیں۔'' تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «لَوْ دَنَا مِنِّيْ لَاخْتَطَفَتْهُ الْمَلَائِكَةُ عُضْوًا عُضْوًا» [مسلم، صفات المنافقين، باب قوله: ﴿ إن الإنسان ليطغى..... ﴾: ۲۷۹۷] ''اگر وہ میرے قریب آتا تو فرشتے اسے ایک ایک عضو کر کے اچک لیتے۔''

آیت 19 ① كَلَّا ۫ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ: فرمایا، وہ آپ کو نماز سے روکتا ہے تو آپ اس کا کہنا ہرگز نہ مانیں، بلکہ آپ نماز پڑھتے، سجدہ کرتے اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتے رہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «أَقْرَبُ مَا يَكُوْنُ الْعَبْدُ مِنْ رَّبِّهٖ وَهُوَ سَاجِدٌ فَأَكْثِرُوا الدُّعَاءَ» [مسلم، الصلاة، باب ما يقال في الركوع والسجود؟: ٤٨٢] ''بندہ اللہ کے سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتا ہے جب وہ سجدے میں ہو، تو تم (سجدے میں) دعا زیادہ کیا کرو۔'' صحیح مسلم ہی میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس آیت پر سجدہ کرتے تھے۔ [دیکھیے مسلم، المساجد، باب سجود التلاوة: ۵۷۸/۱۰۸]

② اگرچہ ان آیات کا اوّلین مصداق ابوجہل ہے، مگر الفاظ عام ہونے کی وجہ سے ہر وہ شخص ان کا مصداق ہے جس میں یہ صفات پائی جائیں، خواہ کوئی ہو اور کسی زمانے کا ہو اور ہر مومن کو حکم ہے کہ ایسے سرکش آدمی کا کہنا نہ مانے اور اللہ کے سامنے سجدہ کرتا رہے اور اس کا قُرب تلاش کرتا رہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

سُوْرَۃُ الْقَدْرِ ۹۷ مکیۃ ۲۵ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اٰیَاتُھَا ۵ رُکُوْعَاتُھَا ۱

اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝۱

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے۔

بلاشبہ ہم نے اسے قدر کی رات میں اتارا ①

آیت 1 ① اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ : ”ہم نے اسے قدر کی رات میں نازل کیا“ یعنی قرآن مجید کو۔ جب کوئی چیز اتنی مشہور ہو کہ خود بخود ذہن میں آ جاتی ہو تو اس کی عظمت واضح کرنے کے لیے نام لینے کے بجائے اس کی ضمیر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

② ”اَلْقَدْرِ“ کا معنی تقدیر ہے، یعنی تقدیر کی رات۔ اس معنی کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے: ﴿ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ﴾ [الدخان : ٤] ”اس رات میں ہر محکم کام کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔“ یعنی سال بھر میں جو کام ہونا ہوتا ہے اس رات میں لوح محفوظ سے نقل کر کے ان فرشتوں کے حوالے کر دیا جاتا ہے جو اسے سرانجام دیتے ہیں۔ ”اَلْقَدْرِ“ کا دوسرا معنی عظمت ہے، یعنی عظمت والی رات۔ اس کے بعد اس کی عظمت پر دلالت کرنے والی چیزیں بیان کی ہیں، یعنی اس کا ہزار مہینے سے بہتر ہونا، اس میں ملائکہ اور جبریل علیہ السلام کا اترنا اور اس کا سراسر سلامتی والی ہونا۔ لیلۃ القدر کے مفہوم میں یہ معنی بھی شامل ہے۔

③ لیلۃ القدر میں قرآن مجید اتارنے کا مطلب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بیان فرمایا ہے کہ لیلۃ القدر میں پورا قرآن ایک ہی دفعہ آسمان دنیا پر نازل کیا گیا، پھر وہاں سے تھوڑا تھوڑا کر کے کئی سالوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ تفسیر ابن کثیر کے محقق حکمت بن بشیر نے سورۂ بنی اسرائیل کی آیت (۱۰۶): ﴿ وَ قُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ ﴾ کی تفسیر کی تحقیق میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول کے متعلق فرمایا ہے کہ اسے طبری، نسائی (سنن کبریٰ، تفسیر سورۂ فرقان)، حاکم (مستدرک: ۲/ ۳۶۸) اور بیہقی (دلائل النبوۃ: ۷/ ۱۳۱) نے روایت کیا ہے اور سب نے اسے ”دَاوٗدُ بْنُ أَبِيْ هِنْدٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ“ کی سند سے بیان کیا ہے۔ حاکم نے اسے صحیح کہا اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے اور حافظ ابن حجر نے بھی فتح الباری (۹/ ۴) میں ان کی موافقت کی ہے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید کے نزول کی ابتدا لیلۃ القدر میں ہوئی۔ یہ معنی شعبی رحمہ اللہ نے کیا ہے۔ (طبری) اور زمین پر قرآن مجید کے لیلۃ القدر میں اترنے کا معنی اس کے سوا ہو بھی نہیں سکتا۔

④ اس رات کے رمضان میں ہونے کی تصریح خود قرآن میں ہے، فرمایا: ﴿ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْۤ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ ﴾ [البقرۃ : ۱۸۵] ”رمضان کا مہینا وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا۔“ اور صحیح احادیث میں ہے کہ وہ رمضان کے آخری عشرے کی کوئی ایک طاق رات (۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷، ۲۹) ہے۔ متعین نہ کرنے میں یہ حکمت ہے کہ مسلمان ان راتوں میں زیادہ سے زیادہ عبادت کر لیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پورے آخری عشرے ہی میں شب بیداری، اعتکاف اور گھر والوں کو جگانے کا اہتمام کرتے تھے۔ [دیکھیے بخاري، فضل ليلة القدر، باب العمل في العشر الأواخر من رمضان : ۲۰۲٤]

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

وَ مَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝۲ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝۳ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ الرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ۝۴

اور تجھے کس چیز نے معلوم کروایا کہ قدر کی رات کیا ہے؟ ۲ قدر کی رات ہزار مہینے سے بہتر ہے ۳ اس میں فرشتے اور روح اپنے رب کے حکم سے ہر امر کے متعلق اترتے ہیں ۴

آیت 2 **وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ**: یہ سوال اس رات کی عظمت کے بیان کے لیے ہے، یعنی مخلوق میں سے کوئی ایسا ہے ہی نہیں جو اس رات کی عظمت جان سکے اور بتا سکے، یہ جاننا اور بتانا اللہ ہی کا کام ہے۔

آیت 2 **لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ**: یعنی لیلۃ القدر اپنی برکتوں اور عبادت کے اجر و ثواب کے لحاظ سے ہزار مہینوں سے بہتر ہے، جن میں یہ رات نہ ہو۔ پھر ہزار ماہ سے یا تو یہ عدد مراد ہے یا عربوں کے عام دستور کے مطابق کثرت مراد ہے جو اس عدد سے بھی زیادہ ہو سکتی ہے۔ یہاں بعض مفسرین نے بنو اُمیہ کے ایام حکومت (جو ایک ہزار ماہ تھے) کی مذمت میں ایک روایت لکھی ہے، حالانکہ ترمذی رحمہ اللہ نے اسے روایت کر کے خود ہی ضعیف قرار دیا ہے۔ [دیکھیے ترمذي، تفسیر القرآن، باب ومن سورة لیلة القدر : ۳۳۵۰] اس کے برعکس حقیقت یہ ہے کہ بنو اُمیہ کا عہد اگرچہ خلفائے راشدین کے عہد کا مقابلہ نہیں کر سکتا، مگر وہ بھی اسلام کے عروج کا عہد ہے جس میں اسلام کا پھریرا مشرق سے مغرب تک لہرایا۔ انھی کے عہد تک پورا عالم اسلام ایک خلیفہ کے تحت رہا اور اسلام غالب، سربلند اور محفوظ رہا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «لَا يَزَالُ هٰذَا الدِّيْنُ عَزِيْزًا مَنِيْعًا إِلَى اثْنَيْ عَشَرَ خَلِيْفَةً، كُلُّهُمْ مِّنْ قُرَيْشٍ» [مسلم، الإمارة، باب الناس تبع لقریش..... : ۱۸۲۱/۹، عن جابر بن سمرة رضی اللہ عنہ] ''یہ دین بارہ خلفاء تک غالب و محفوظ رہے گا، جو سب قریش سے ہوں گے۔'' ابوداؤد میں انھی جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی الفاظ یہ ہیں: «لَا يَزَالُ هٰذَا الدِّيْنُ قَائِمًا حَتّٰى يَكُوْنَ عَلَيْكُمُ اثْنَا عَشَرَ خَلِيْفَةً، كُلُّهُمْ تَجْتَمِعُ عَلَيْهِ الْأُمَّةُ، كُلُّهُمْ مِّنْ قُرَيْشٍ» [أبو داؤد، كتاب المهدي : ٤٢٧٩، وقال الألباني صحيح] ''یہ دین قائم رہے گا حتیٰ کہ بارہ خلفاء ہوں، جن سب پر امت جمع ہو گی، سب کے سب قریش سے ہوں گے۔'' روافض اور ان سے متاثر لوگ اسلام کے اس سنہرے دور کے متعلق فضول باتیں کرتے رہتے ہیں، حالانکہ اس کے بعد نہ امتِ مسلمہ کو ایک خلیفہ پر جمع ہونے کی سعادت حاصل ہو سکی اور نہ اسلام اس طرح غالب رہا جس طرح ان کے عہد میں غالب تھا۔

آیت 4 ❶ **تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ الرُّوْحُ فِيْهَا**.....: ''الرُّوْحُ'' سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ﴾ [الشعراء: ۱۹۳] ''یہ قرآن روح الامین لے کر اترے ہیں۔'' ملائکہ میں شامل ہونے کے باوجود ان کے شرف کی وجہ سے ان کا الگ ذکر فرمایا، جس طرح سورۂ بقرہ کی اس آیت میں فرشتوں کے ذکر کے بعد ان کے شرف کی وجہ سے ان کا خاص طور پر الگ ذکر فرمایا: ﴿مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ جِبْرِيْلَ وَ مِيْكٰىلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھا جانے والا اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

سَلٰمٌ ۛ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝۵

وہ رات فجر طلوع ہونے تک سراسر سلامتی ہے ۝۵

لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴾ [البقرة : ۹۸] ''جو کوئی اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں اور جبریل اور میکال کا دشمن ہو تو بے شک اللہ سب کافروں کا دشمن ہے۔''

② یعنی ملائکہ اور جبریل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہر امر کے متعلق آئندہ سال میں جو کچھ ہونے کا فیصلہ ہو چکا ہوتا ہے وہ لے کر زمین پر اترتے ہیں۔

آیت 5 ① سَلٰمٌ ۛ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ: ''سَلٰمٌ'' خبر مقدم اور ''هِيَ'' مبتدا مؤخر ہے، یعنی وہ رات طلوع فجر تک سراسر سلامتی ہے۔ مغرب سے فجر تک رات بھر اس میں اہلِ ایمان شیطان کے شر اور ہر قسم کے فتنے سے سلامت رہتے ہیں اور اپنے دلوں میں عجیب اطمینان و سکون اور سلامتی محسوس کرتے ہیں۔

② لیلۃ القدر، اس کی تلاش اور اعتکاف کے مسائل و فضائل کے لیے کتب احادیث کا مطالعہ فرمائیں۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

سُوْرَةُ الْبَيِّنَةِ ۹۸ مدنیۃ ۱۰۰ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اٰيَاتُهَا ۸ رُكُوْعَاتُهَا ۱

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ الْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ
الْبَيِّنَةُ ① رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ② فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ③

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے۔

وہ لوگ جنھوں نے اہل کتاب اور مشرکین میں سے کفر کیا باز آنے والے نہ تھے، یہاں تک کہ ان کے پاس کھلی دلیل
آئے ① اللہ کی طرف سے ایک رسول، جو پاک صحیفے پڑھ کر سنائے ② جن میں لکھے ہوئے مضبوط احکام ہوں ③

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا: « إِنَّ اللّٰهَ أَمَرَنِيْ أَنْ أَقْرَأَ عَلَيْكَ : ﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ قَالَ وَ سَمَّانِيْ ؟ قَالَ نَعَمْ، فَبَكٰى » [بخاري، التفسير، سورة : ﴿ لم يكن ﴾ : ٤٩٥٩] ”اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمھیں ”لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا“ پڑھ کر سناؤں۔“ اُبی رضی اللہ عنہ نے کہا: ”اور کیا اللہ نے میرا نام بھی لیا ہے؟“ آپ نے فرمایا: ”ہاں!“ تو اُبی رضی اللہ عنہ (یہ سن کر خوشی سے) رونے لگے۔“

آیت 1 لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا...... : ”مُنْفَكِّيْنَ“ ”فَكَّ يَفُكُّ فَكًّا“ (ن) ”اَلشَّيْءَ“ کسی چیز کو دوسری سے جدا کرنا، ”اَلْعُقْدَةَ“ گرہ کھولنا اور ”اَلْخَتَمَ“ مہر توڑنا۔ ”اِنْفَكَّ يَنْفَكُّ“ (انفعال) ایک چیز کا دوسری چیز سے الگ ہونا جس کے ساتھ وہ خوب جڑی ہوئی تھی، جیسے ”اِنْفَكَّ الْعَظْمُ“ ”ہڈی اپنے جوڑ سے الگ ہو گئی۔“ ”مُنْفَكِّيْنَ“ اسم فاعل ہے، (اپنے کفر سے) باز آنے والے، الگ ہونے والے۔ یعنی پیغمبر آخر الزماں اور قرآن بھیجنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) اور مشرکین عرب کو راہِ حق پر لایا جائے، کیونکہ یہ لوگ اس قدر بگڑے ہوئے تھے کہ ان کا راہ حق پر آنا اس کے بغیر ممکن نہ تھا کہ ایک پیغمبر آئے جو ایک مقدس آسمانی کتاب لائے جس میں عمدہ و دل نشیں مضامین ہوں اور وہ انھیں پڑھ کر سنائے، کسی حکیم یا صوفی یا عادل بادشاہ کے بس کی بات نہ تھی کہ انھیں راہِ راست پر لے آتا۔ (اشرف الحواشی)

آیت 3،2 رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً...... : قرآن مجید کو ”صُحُفًا مُّطَهَّرَةً“ اور اس میں موجود احکام اور سورتوں کو ”قَيِّمَةٌ“ (نہایت مضبوط) قرار دیا ہے کہ ان میں کسی قسم کی ناپاک بات یا کمزور اور بے بنیاد قصہ یا حکم نہیں۔ اگر کسی شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے پاک صحیفوں اور ان میں لکھے ہوئے مضبوط احکام کی پاکیزگی اور مضبوطی معلوم کرنے کا شوق ہو تو وہ قرآن مجید کا بائبل کے مجموعے میں موجود پہلے صحیفوں کے ساتھ موازنہ کر لے، جن میں صحیح باتوں کے ساتھ عقل و اخلاق سے گری ہوئی باتیں، واضح تحریف شدہ احکام اور اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی اور انبیائے کرام کی توہین اور ان پر تہمتوں کی نجاست صاف نظر آتی ہے، مثلاً لوط اور سلیمان علیہما السلام پر بے بنیاد تہمتیں، جن سے وہ ہر طرح سے پاک اور بری ہیں۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

وَ مَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝۴ وَ مَاۤ اُمِرُوْۤا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ۬ حُنَفَآءَ وَ يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَ ذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ۝۵

اور وہ لوگ جنھیں کتاب دی گئی، جُدا جُدا نہیں ہوئے مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس کھلی دلیل آ گئی ۝۴ اور انھیں اس کے سوا حکم نہیں دیا گیا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں، اس حال میں کہ اس کے لیے دین کو خالص کرنے والے، ایک طرف ہونے والے ہوں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور یہی مضبوط ملت کا دین ہے ۝۵

آیت 4 : ❶ وَ مَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ … : اس آیت میں اہلِ کتاب کے ایک جرم کا ذکر فرمایا، مشرکین کا نام نہیں لیا، کیونکہ جب پڑھے لکھوں کا یہ حال ہے تو جاہل مشرکین کی ضد اور عناد کا اندازہ خود کر لیں۔ اہلِ کتاب کا یہ جرم ان کا باہمی تفرقہ تھا اور اس جرم کا ارتکاب انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے بھی کیا اور آپ کی آمد پر بھی۔ آپ کی تشریف آوری سے پہلے وہ بہتر (۷۲) فرقوں میں بٹ چکے تھے۔ اس آیت میں وضاحت فرمائی کہ ان کے الگ الگ بہتر (۷۲) فرقے بننے کی وجہ یہ نہ تھی کہ انھیں اللہ کے حکم کا علم نہ تھا، نہیں! بلکہ "اَلْبَيِّنَةُ" (کھلی دلیل اور واضح حکم) موجود ہونے کے باوجود باہمی ضد اور عناد کی وجہ سے کسی نے احبار و رہبان میں سے کسی ایک کے اقوال کو حجت مان کر اس کے نام پر فرقہ بنا لیا اور کسی نے دوسرے کے نام پر۔ یہی حال مسلمانوں کا ہوا، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((تَفَرَّقَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰی إِحْدٰی وَسَبْعِيْنَ فِرْقَةً، أَوِ اثْنَتَيْنِ وَسَبْعِيْنَ فِرْقَةً، وَالنَّصَارٰی مِثْلَ ذٰلِكَ، وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِيْ عَلٰی ثَلَاثٍ وَسَبْعِيْنَ فِرْقَةً)) [ترمذي، الإيمان، باب ما جاء في افتراق هذه الأمة : ۲٦٤٠، وقال ترمذي و الألباني حسن صحيح] "یہود اکہتر (۷۱) یا بہتر (۷۲) فرقوں میں بٹ گئے، نصرانیوں کا بھی یہی حال ہوا اور میری امت تہتر (۷۳) فرقوں میں بٹ جائے گی۔" اس افتراق کا حل پہلے بھی یہ تھا اور اب بھی یہی ہے کہ تمام امت اللہ کے نازل کردہ احکام پر متفق ہو جائے، علماء کے اقوال سے کتاب و سنت سمجھنے میں مدد لی جائے مگر ان میں سے کسی کے قول کو شرع سمجھ کر فرقہ نہ بنایا جائے، بلکہ جہاں اس کی بات وحیِ الٰہی کے خلاف ہو، خواہ کتنا ہی بڑا آدمی کیوں نہ ہو، اسے یکسر ترک کر دیا جائے۔

❷ رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری کے بعد آپ پر اہلِ کتاب کے ایمان نہ لانے کی وجہ یہ ہرگز نہ تھی کہ انھیں آپ کے سچا ہونے میں کوئی شک تھا، بلکہ پہلی کتابوں میں آپ ﷺ کی واضح بشارت اور نشانیاں موجود ہونے کی وجہ سے وہ آپ کو اپنے بیٹوں کی طرح بلکہ اس سے بھی بڑھ کر پہچانتے تھے، مگر محض حسد اور عناد کی وجہ سے آپ کے بارے میں جدا جدا ہو گئے، کوئی ایمان لے آیا اور کوئی کفر پر ڈٹا رہا۔ حسد اور عناد ایک تو یہ تھا کہ آپ بنی اسرائیل کے بجائے بنی اسماعیل سے کیوں ہیں اور دوسرا یہ کہ وہ اپنی مذہبی سرداری چھوڑنے پر آمادہ نہیں تھے۔

آیت 5 وَ مَاۤ اُمِرُوْۤا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ …… : "الْقَيِّمَةِ" "قَامَ يَقُوْمُ" سے "فَيْعِلَةٌ" کے وزن پر صفت کا صیغہ ہے،

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ وَالۡمُشۡرِكِيۡنَ فِىۡ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا ؕ اُولٰٓـئِكَ
هُمۡ شَرُّ الۡبَرِيَّةِ ؕ ⑥ اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓـئِكَ هُمۡ خَيۡرُ الۡبَرِيَّةِ ؕ ⑦
جَزَآؤُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ جَنّٰتُ عَدۡنٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَاۤ اَبَدًا ؕ

بے شک وہ لوگ جنھوں نے اہل کتاب اور مشرکین میں سے کفر کیا، جہنم کی آگ میں ہوں گے، اس میں ہمیشہ
رہنے والے ہیں، یہی لوگ مخلوق میں سب سے برے ہیں ⑥ بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک
اعمال کیے، وہی مخلوق میں سب سے بہتر ہیں ⑦ ان کا بدلا ان کے رب کے ہاں ہمیشہ رہنے کے باغات ہیں، جن

جس میں تاء مبالغے کے لیے ہے، نہایت مضبوط، سیدھی جس میں کوئی کجی نہیں: "أَيْ ذٰلِكَ دِيْنُ الْمِلَّةِ الْقَيِّمَةِ" "یعنی یہی مضبوط ملت کا دین ہے۔" "حُنَفَآءَ" "حَنِيْفٌ" کی جمع ہے جو "حَنَفَ يَحْنِفُ حَنَفًا" (ض) (حاء کے ساتھ) سے "فَعِيْلٌ" بمعنی اسم فاعل ہے، اس کا لفظی معنی "ایک طرف مائل ہونا" ہے۔ اس کا اکثر استعمال "تمام راستوں سے ہٹ کر سیدھے راستے کی طرف آنے" کے معنی میں ہوتا ہے، جب کہ "جَنَفَ" (جیم کے ساتھ) کا مطلب "سیدھے راستے سے ہٹ کر ادھر ادھر ہو جانا" ہوتا ہے۔ اس آیت میں دین کا خلاصہ بیان فرما دیا کہ پہلی امتیں ہوں یا یہ امت، سب میں ایک ہی حکم ہے کہ ایک اللہ کی عبادت کریں، جو ہر قسم کے شرک اور ریا سے پاک اور خالص اللہ کے لیے ہو اور باطل پر چلنے والے تمام گروہوں سے ہٹ کر ایک اللہ کی طرف یک سو ہو جائیں، جس طرح ابراہیم علیہ السلام ہو گئے تھے اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں، یہی مضبوط ملت کا دین ہے۔ جب اس امت میں بھی وہی پہلا ہی حکم ہے اور پہلی امتوں کا اور اس امت کا دین قیم ایک ہی ہے، تو انھیں ماننے سے انکار کیوں ہے؟

آیت 6 اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ ......: "الۡبَرِيَّةِ" "بَرَأَ يَبْرَأُ بَرْأً وَ بُرُوْءًا" (ف) (پیدا کرنا) سے "فَعِيْلَةٌ" کے وزن پر اسم مفعول کے معنی میں ہے، مخلوق۔ یعنی یہ لوگ تمام مخلوق حتیٰ کہ جانوروں سے بھی بدتر ہیں، جیسا کہ فرمایا: ﴿ اُولٰٓـئِكَ كَالۡاَنۡعَامِ بَلۡ هُمۡ اَضَلُّ ﴾ [الأعراف : ۱۷۹] "یہ لوگ جانوروں کی طرح ہیں، بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔" کیونکہ وہ جان بوجھ کر حق کی مخالفت کر رہے ہیں۔

آیت 8،7 اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ......: جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں اور تمام کتابوں پر ایمان لائے اور انھوں نے صالح اعمال کیے ان کے لیے تین بڑی بڑی بشارتیں ہیں، پہلی یہ کہ وہ مخلوق میں سب سے بہتر ہیں، کیونکہ اپنے اختیار سے گناہ چھوڑ کر ایمان اور عمل صالح کرنے والوں کا درجہ یقیناً ان لوگوں سے بلند ہے جن میں نافرمانی کی استعداد ہی نہیں، دوسری یہ کہ ان کے لیے ہمیشہ رہنے کے لیے باغات ہیں، جن کے تلے نہریں بہتی ہیں اور تیسری یہ کہ انھیں اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوگی جو آخرت کی نعمتوں میں سے سب سے بڑی نعمت ہے، فرمایا: ﴿ وَرِضۡوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكۡبَرُ ﴾ [التوبة :

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ۠﴿۸﴾

کے تلے نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ہمیشہ۔ اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے، یہ اس شخص کے لیے ہے جو اپنے رب سے ڈر گیا﴿۸﴾

[۷۲] ''اور اللہ کی رضامندی سب سے بڑی چیز ہے۔'' ''اور وہ اللہ سے راضی ہوں گے'' یعنی بے شمار نعمتوں کے بعد بھی اگر ان کا دل ہی خوش نہ ہوا تو کیا فائدہ؟ یہ نعمتیں اس کے لیے ہیں جو اپنے رب سے ڈر گیا۔ خالی بے روح کلمہ پڑھنے، بلاخشیت نماز اور بوجھل دل کے ساتھ زکوٰۃ ادا کرنے اور بطور رسم عبادات ادا کرنے سے یہ مرتبہ نہیں ملتا، بلکہ اس کا مدار اللہ کے ڈر پر ہے، جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَ لِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴾ [الرحمٰن : ٤٦] ''اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا اس کے لیے دو باغ ہیں۔''

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

سورۃ الزلزال ۹۹ مدنیۃ ۹۳ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اٰیاتھا ۸ رکوعاتھا ۱

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝۱ وَ اَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۝۲ وَ قَالَ الْاِنْسَانُ مَا
لَهَا ۝۳ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۝۴

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے۔

جب زمین سخت ہلا دی جائے گی، اس کا سخت ہلایا جانا ① اور زمین اپنے بوجھ نکال باہر کرے گی ② اور انسان کہے گا
اسے کیا ہے؟ ③ اس دن وہ اپنی خبریں بیان کرے گی ④

انس بن مالک اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ زلزال کو قرآن کے نصف کے برابر قرار دیا ہے، مگر شیخ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے ان روایات کو منکر اور ضعیف قرار دیا ہے۔ [دیکھیے سلسلة الأحادیث الضعیفة و الموضوعة : ۱۳۴۲]

آیت 1 اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا : "زَلْزَلَ يُزَلْزِلُ زَلْزَلَةً وَ زِلْزَالًا" (فعللہ) سخت ہلانا۔ یہاں "زِلْزَالٌ" مصدر مفعول کے معنی میں ہے، یعنی سخت ہلایا جانا۔ اس سے مراد دوسرے نفخہ کے ساتھ آنے والا زبردست زلزلہ ہے، کیونکہ دوسرے نفخہ کے ساتھ ہی مردے قبروں سے نکلیں گے، فرمایا: ﴿ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ﴾ [الزمر : ۶۸] "پھر اس میں دوسری دفعہ پھونکا جائے گا تو یک لخت وہ کھڑے ہو کر دیکھ رہے ہوں گے۔" "زِلْزَالَهَا" (اپنے زلزلے) سے مراد یہ ہے کہ زمین کو سخت ہلا دینے کے لیے جتنا زبردست زلزلہ ہونا چاہیے اس قسم کے زلزلے کے ساتھ وہ سخت ہلا دی جائے گی۔

آیت 2 وَ اَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا: "اَثْقَالٌ" "ثَقَلٌ" کی جمع ہے، مسافر کا سامان اور نفیس چیزیں جن کی وہ حفاظت کرتا ہے، یعنی زمین نے جو کچھ سنبھال کر رکھا ہوا ہے اسے باہر نکال دے گی۔ یا "ثِقْلٌ" کی جمع ہے جو حمل کو کہتے ہیں، جیسے فرمایا: ﴿ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ ﴾ [الأعراف : ۱۸۹] "پس جب وہ (عورت) بھاری ہوگئی۔" اس صورت میں زمین کو حاملہ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، یعنی اتنا شدید زلزلہ ہوگا کہ زمین پھٹ جائے گی اور اس میں جو فوت شدہ لوگ ہیں یا جو کچھ بھی زمین نے سنبھال کر رکھا ہوا ہے باہر نکال کر خالی ہو جائے گی، جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَ اَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَ تَخَلَّتْ ﴾ [الانشقاق : ۴] "اور اس میں جو کچھ ہے باہر پھینک دے گی اور خالی ہو جائے گی۔"

آیت 2 وَ قَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا: ہر انسان ہی اچانک پیش آنے والے واقعات سے دہشت زدہ ہو کر یہ الفاظ کہے گا۔ خصوصاً کافر جو قیامت کا منکر تھا، اس کے لیے تو یہ بات حد سے بڑھ کر تعجب انگیز ہوگی۔

آیت 4 يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا: یعنی زمین وہ سب کچھ بیان کرے گی جو اس پر کیا گیا اور بتائے گی کہ کس نے کس وقت کیا نیکی یا کیا بدی کی۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ۝۵ يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ۝۶ فَمَنْ
يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝۷ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝۸

اس لیے کہ تیرے رب نے اسے وحی کی ہوگی ۝۵ اس دن لوگ الگ الگ ہو کر واپس لوٹیں گے، تاکہ انھیں ان کے اعمال دکھائے جائیں ۝۶ تو جو شخص ایک ذرہ برابر نیکی کرے گا اسے دیکھ لے گا ۝۷ اور جو شخص ایک ذرہ برابر برائی کرے گا اسے دیکھ لے گا ۝۸

آیت 5 بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا: کیونکہ اس کے رب نے اسے یہ حکم دیا ہوگا۔

آیت 6 يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ: "يَصْدُرُ" واپس لوٹیں گے، یعنی پہلے قبروں میں گئے تھے، اب وہاں سے حساب کے لیے میدانِ محشر میں اللہ کے حضور واپس لوٹیں گے، جیسا کہ فرمایا: ﴿ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ [البقرۃ : ۲۸] ''پھر وہ تمھیں مارے گا، پھر زندہ کرے گا، پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔'' "اَشْتَاتًا" "شَتٌّ" کی جمع ہے، الگ الگ۔ "لِيُرَوْا" "أَرٰى يُرِيْ إِرَاءَةً" (افعال) سے مضارع مجہول ہے، تاکہ وہ دکھائے جائیں اپنے عمل۔ "لِيُرَوْا" میں ضمیر نائب فاعل ہے اور "اَعْمَالَهُمْ" مفعول ثانی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہر شخص اکیلا اکیلا اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کے لیے پیش ہوگا، اس کا قبیلہ، اس کی جماعت اور دوست احباب کوئی ساتھ نہیں ہوگا، جیسا کہ فرمایا: ﴿وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ [الأنعام : ۹۴] ''اور یقیناً تم ہمارے پاس اس طرح اکیلے آئے ہو جیسے ہم نے تمھیں پہلی بار پیدا کیا تھا۔'' الگ الگ ہو کر اس لیے لوٹیں گے کہ ہر ایک کو اس کے اعمال دکھائے جائیں، جیسا کہ فرمایا: ﴿اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ۭ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا﴾ [بني إسرائیل : ۱۴] ''اپنی کتاب پڑھ، آج تو خود اپنے آپ پر بطور محاسب بہت کافی ہے۔'' یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ لوگ الگ الگ گروہ کی شکل میں میدان محشر کی طرف روانہ ہوں گے، اگرچہ اللہ تعالیٰ کے حضور فرداً فرداً پیش ہوں گے، جیسا کہ فرمایا: ﴿وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ﴾ [النمل : ۸۳] ''اور جس دن ہم ہر امت میں ایک گروہ ان لوگوں کا اکٹھا کریں گے جو ہماری آیات کو جھٹلاتے تھے، پھر ان کی جدا جدا قسمیں بنائی جائیں گی۔''

آیت 7,8 ❶ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ.....: "يَرَهٗ" اصل میں "يَرَاهُ" ہے، جو "رَاٰى يَرٰى رُؤْيَةً" کا فعل مضارع ہے، "فَمَنْ يَّعْمَلْ" شرط کی جزا ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے، اس لیے الف حذف ہو گیا۔ "ذَرَّةٍ" بکھرے ہوئے غبار کا چھوٹے سے چھوٹا حصہ جو روشن دان میں سورج کی شعاعوں سے چمکتا ہوا نظر آتا ہے۔ چھوٹی چیونٹی کو بھی "ذَرَّةٌ" کہتے ہیں۔ کافر ہو یا مسلمان، ذرہ بھر نیکی کی ہوگی تو دیکھ لے گا اور ذرہ بھر برائی کی ہوگی تو دیکھ لے گا، اعمال کے دفتر سے کوئی چیز غائب نہیں ہوگی، جیسا کہ فرمایا: ﴿وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۭ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا﴾ [الکھف : ۴۹] ''اور انھوں نے جو کچھ

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

کیا اسے حاضر پائیں گے اور تیرا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا۔'' البتہ اعمال کی جزا اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے اصول کے مطابق ہوگی۔ چنانچہ کافروں کے اعمال ضائع کر دیے جائیں گے، انھیں آخرت کے بجائے دنیا ہی میں بدلا دے دیا جائے گا۔ (دیکھیے اعراف: ۱۴۷۔ احقاف: ۲۰) اور انھیں کوئی سفارش فائدہ نہیں دے گی۔ دیکھیے سورۂ مدثر (۴۸)۔

قرآن مجید اور صحیح احادیث کی روشنی میں ان کے اعمال ضائع ہونے اور سفارش کے مفید نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ جہنم سے نہیں نکل سکیں گے، ان پر جنت حرام ہے۔ البتہ بعض اعمال یا کسی شفاعت کی وجہ سے عذاب میں تخفیف ہو سکتی ہے، جیسا کہ ابوطالب کو صرف آگ کا جوتا پہنایا جائے گا اور کفار اپنے اپنے اعمال کے لحاظ سے جہنم کے مختلف درکات میں ہوں گے۔ منافقین آگ کے سب سے نچلے حصے میں ہوں گے۔ (دیکھیے نساء: ۱۴۵) اہل ایمان کو ان کی برائیوں کی سزا تب ملے گی جب یہ شرطیں موجود ہوں: ① گناہ کبیرہ ہوں۔ (دیکھیے نساء: ۳۱) ② ان سے توبہ کیے بغیر فوت ہو جائیں۔ ③ ان کی نیکیاں میزان میں بھاری نہ ہو سکیں۔ ④ ان کے حق میں کوئی سفارش قبول نہ ہو۔ ⑤ ان کا کوئی عمل ایسا نہ ہو جس سے وہ مغفرت کے مستحق ہو چکے ہوں، مثلاً اہل بدر۔ ⑥ اللہ تعالیٰ نے وہ گناہ معاف نہ کیا ہو، کیونکہ گناہ گار مومن اللہ کی مرضی پر ہے، وہ چاہے تو اسے عذاب دے، چاہے تو بخش دے۔

② رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کو جامع اور بے نظیر آیت قرار دیا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے گھوڑوں کے متعلق فرمایا: « اَلْخَيْلُ ثَلَاثَةٌ: لِرَجُلٍ أَجْرٌ وَ لِرَجُلٍ سِتْرٌ وَ عَلٰى رَجُلٍ وِزْرٌ » ''گھوڑے تین طرح کے لوگوں کے لیے ہیں، ایک آدمی کے لیے اجر ہیں اور ایک آدمی کے لیے پردہ ہیں اور ایک آدمی پر بوجھ ہیں۔'' اس پر آپ ﷺ سے گدھوں کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: « مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيَّ فِيهَا إِلَّا هٰذِهِ الْآيَةَ الْفَاذَّةَ الْجَامِعَةَ: ﴿ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَ مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ﴾ » [بخاري، التفسير، باب قوله : ﴿ فمن يعمل مثقال ذرة خيرا يره ﴾ : ٤٩٦٢] ''اللہ نے اس کے متعلق اس بے نظیر و جامع آیت کے علاوہ مجھ پر کچھ نازل نہیں فرمایا: ''تو جو شخص ایک ذرہ برابر نیکی کرے گا اسے دیکھ لے گا اور جو شخص ایک ذرہ برابر برائی کرے گا اسے دیکھ لے گا۔''

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

سُوْرَةُ الْعٰدِيٰتِ ١٠٠ مكية ١٤ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اٰيَاتُهَا ١١ رُكُوْعَاتُهَا ١

وَ الْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ۙ۝۱ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ۙ۝۲ فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ۙ۝۳ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۙ۝۴
فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۙ۝۵

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے۔

قسم ہے ان (گھوڑوں) کی جو پیٹ اور سینے سے آواز نکالتے ہوئے دوڑنے والے ہیں! ① پھر جو سم مار کر چنگاریاں نکالنے والے ہیں! ② پھر جو صبح کے وقت حملہ کرنے والے ہیں! ③ پھر اس کے ساتھ غبار اڑاتے ہیں ④ پھر وہ اس کے ساتھ بڑی جماعت کے درمیان جا گھستے ہیں ⑤

اس سورت کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے، راجح یہی ہے کہ یہ مکی ہے۔ اس میں شواہد کے ساتھ انسان کا ناشکرا ہونا اور بخیل وحریص ہونا بیان کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی قیامت کا تذکرہ ہے۔

آیت 1 وَ الْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا: "اَلْعٰدِيٰتِ" "عَدَا يَعْدُوْا عَدْوًا" (ن) (دوڑنا) سے اسم فاعل ہے، دوڑنے والے۔ "ضَبْحٌ" اس آواز کو کہتے ہیں جو گھوڑے کے تیز دوڑنے کی وجہ سے اس کے جوف سے نکلتی ہے، جو نہ سانس کی آواز ہوتی ہے اور نہ ہنہنانے کی، اس لیے اس کا معنی "ہانپ کر" کرنا محلِ نظر ہے۔ آیت میں اگرچہ گھوڑوں کا لفظ نہیں، مگر لغت عرب میں "ضَبْحٌ" کا لفظ گھوڑے کے لیے آتا ہے یا کتے کے لیے، کیونکہ یہ مخصوص آواز انھی دو جانوروں سے نکلتی ہے۔ اس جگہ کتے مراد ہو ہی نہیں سکتے، اس لیے گھوڑے ہی مراد ہیں۔ یہاں تیز دوڑنے والے گھوڑوں کو بطور شاہد پیش کیا گیا ہے، وہ گھوڑے مسلمانوں کے ہوں یا کافروں کے، انھیں غازیوں کے ساتھ مخصوص بھی نہیں کیا گیا، کیونکہ مقصد گھوڑوں کی فضیلت بیان کرنا نہیں بلکہ انھیں آئندہ آنے والے دعوے کی دلیل کے طور پر پیش کرنا ہے۔

آیت 2 فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا: "اَوْرٰى يُوْرِيْ اِيْرَاءً" (افعال) چقماق (پتھر) سے آگ نکالنا۔ "قَدَحَ يَقْدَحُ قَدْحًا" (ف) آگ نکالنے کے لیے پتھر پر پتھر مارنا ہے، مراد سُم مارنا ہے۔ تیز دوڑتے ہوئے ان کے سُم پتھروں پر پڑتے ہیں تو ان میں سے چنگاریاں نکلتی ہیں۔

آیت 3 فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا: "فَالْمُغِيْرٰتِ" "اَغَارَ يُغِيْرُ اِغَارَةً" (افعال) سے اسم فاعل "مُغِيْرَةٌ" کی جمع ہے، لوٹنے کے لیے حملہ کرنے والے۔

آیت 4 فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا: "فَاَثَرْنَ" "اَثَارَ يُثِيْرُ اِثَارَةً" (افعال) "اَلْغُبَارَ" غبار اڑانا۔ "نَقْعًا" غبار۔

آیت 5 فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا: "وَسَطْنَ" "وَسَطَ يَسِطُ وَسْطًا" (ض) "اَلْقَوْمَ اَوِ الْمَكَانَ" "کسی چیز کے درمیان میں ہونا۔"

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۝۶ وَ اِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۝۷ وَ اِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۝۸
اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ ۝۹

بے شک انسان اپنے رب کا یقیناً بہت ناشکرا ہے ⑥ اور بے شک وہ اس بات پر یقیناً (خود) گواہ ہے ⑦ اور بے شک وہ مال کی محبت میں یقیناً بہت سخت ہے ⑧ تو کیا وہ نہیں جانتا جب قبروں میں جو کچھ ہے باہر نکال پھینکا جائے گا ⑨

آیت 6 اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ.....: "كَنَدَ يَكْنُدُ" (ن) "كُنُوْدًا" (کاف کے ضمہ کے ساتھ) "اَلنِّعْمَةَ" نعمت کا انکار کرنا، ناشکری کرنا۔ "كَنُوْدٌ" (کاف کے فتحہ کے ساتھ) بروزن "فَعُوْلٌ" بمعنی فاعل برائے مبالغہ ہے، بہت ناشکری کرنے والا۔ یہ مذکر و مؤنث دونوں کے لیے آتا ہے۔ اصل میں "كَنُوْدٌ" اس زمین کو کہتے ہیں جو کوئی چیز نہ اُگاتی ہو۔ اس سورت میں پہلی پانچ آیات میں قسمیں اٹھانے کے بعد چھٹی آیت میں یہ حقیقت بیان کی گئی ہے کہ انسان یقیناً اپنے رب کا ناشکرا ہے۔ یہ پانچوں قسمیں اس دعوے کی دلیل اور شاہد کے طور پر لائی گئی ہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ گھوڑے اپنے مالک کے ایسے وفادار اور شکر گزار ہیں کہ رات جب وہ انھیں لے کر نکلتے ہیں تو وہ بلا چون و چرا چل پڑتے ہیں، نہ اپنے آرام کی پروا کرتے ہیں اور نہ رات کی تاریکی کی، پھر وہ مالک کے کہنے پر صدق نیت کے ساتھ اس طرح سرپٹ دوڑتے ہیں کہ ان کے جوف سے آواز نکلنے لگتی ہے اور تیزی سے دوڑتے ہوئے ان کے سُم جہاں پڑتے ہیں ان کی ٹھوکر اور رگڑ کے ساتھ پتھروں سے چنگاریاں نکلتی جاتی ہیں۔ پھر صبح کے وقت جب ہر چیز آرام کر رہی ہوتی ہے، ان کے مالک انھیں لے کر دشمن کو لوٹنے کے لیے دھاوا بولتے ہیں تو اس وقت بھی وہ غبار اڑاتے ہوئے دوڑتے چلے جاتے ہیں، خواہ غبار کے ساتھ سانس گھٹ رہا ہو، یا آگے دشمن کی تلواریں، تیر اور نیزے ان کے سینے چھید رہے ہوں، یہ کسی بھی چیز کی پروا نہ کرتے ہوئے اسی حالت میں دشمن کی جماعت کے وسط میں جا گھستے ہیں۔ گھوڑے اپنے اس مالک کے لیے اتنی تگ و دو کرتے ہیں جو ان کی تھوڑی بہت خدمت کرتا ہے، جس نے نہ انھیں پیدا کیا ہے اور نہ ان کا حقیقی رازق ہے، تو کیا انسان اللہ تعالیٰ کے کہنے پر جو اس کا خالق بھی ہے، مالک اور رازق بھی اتنی تگ و دو کرنے اور قربانی دینے پر تیار ہے؟ وہ خود مانے گا کہ یقیناً نہیں، تو پھر اس کے ناشکرا ہونے میں کیا شک ہے؟

آیت 8 وَ اِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ: یعنی اس ناشکری کا سبب مال کی شدید محبت اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی حرص، طمع اور بخل کی بد عادتیں ہیں جن کی وجہ سے یہ اپنے مُنعِم حقیقی کو بھلا بیٹھا ہے۔

آیت 9 اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ: یعنی انسان اپنے رب کی ناشکری کرتا ہے اور مال سے شدید محبت کی وجہ سے اپنے مالک کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے، تو کیا وہ اس وقت کو نہیں جانتا جب وہ سب کچھ نکال باہر پھینکا جائے گا جو قبروں میں ہے اور ان میں موجود تمام مردوں کو زندہ کر کے قبروں سے نکال باہر کیا جائے گا؟ "اَفَلَا يَعْلَمُ" (تو کیا وہ اس وقت کو نہیں جانتا) کا مطلب یہ ہے کہ کیا وہ اس وقت سے نہیں ڈرتا کہ اپنے مالک کو کیا جواب دے گا؟

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

وَ حُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ ﴿۱۰﴾ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَىِٕذٍ لَّخَبِيْرٌ ﴿۱۱﴾ ع ۲۵

اور جو کچھ سینوں میں ہے ظاہر کر دیا جائے گا ﴿۱۰﴾ بے شک ان کا رب اس دن ان کے متعلق یقیناً خوب خبر رکھنے والا ہے ﴿۱۱﴾

آیت 10 **وَ حُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ:** دوسرے اعمال تو پہلے ہی ظاہر ہو چکے تھے، مگر دل کی نیت اور ارادے کے متعلق خیال ہو سکتا تھا کہ اسے کون جانتا ہے، تو اس وقت وہ بھی ظاہر کر دیے جائیں گے، جیسا کہ فرمایا: ﴿ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآىِٕرُ ﴾ [الطارق: ۹] ''جس دن پوشیدہ راز ظاہر کیے جائیں گے۔''

آیت 11 **اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَىِٕذٍ لَّخَبِيْرٌ:** اس آیت پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ رب تعالیٰ تو ہمیشہ ہی بندوں کے حالات سے باخبر ہے، پھر اس دن کو خاص کیوں فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس دن جب ظاہری اعضا سے سرزد ہونے والے اعمال کے علاوہ دلوں کے اعمال ظاہر کر کے ان کی بھی جزا و سزا دی جائے گی، تو اگر پہلے کسی کو شک تھا تو اس دن وہ بھی دور ہو جائے گا کہ یقیناً ان کا رب ان کے متعلق خوب خبر رکھنے والا ہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

سورۃ القارعۃ ۱۰۱ مکیۃ ۳۰ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — آیاتہا ۱۱ رکوعہا ۱

اَلْقَارِعَةُ ۝۱ مَا الْقَارِعَةُ ۝۲ وَ مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ۝۳ يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ۝۴

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے۔

وہ کھٹکھٹانے والی ① کیا ہے وہ کھٹکھٹانے والی؟ ② اور تجھے کس چیز نے معلوم کروایا کہ وہ کھٹکھٹانے والی کیا ہے؟ ③ جس دن لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح ہو جائیں گے ④

یہ سورت مکی ہے اور اس میں قیامت کے احوال، اعمال کے وزن اور ان کی جزا و سزا کا بیان ہے۔

آیت 1 اَلْقَارِعَةُ: "قَرَعَ يَقْرَعُ قَرْعًا" (ف) شدت کے ساتھ دروازہ کھٹکھٹانا۔ "اَلْقَارِعَةُ" "اَلطَّآمَّةُ، اَلصَّآخَّةُ، اَلْحَآقَّةُ، اَلْغَاشِيَةُ" اور "اَلْوَاقِعَةُ" کی طرح قیامت کا ایک نام ہے، کیونکہ صور کی آواز کانوں اور دلوں بلکہ ہر چیز کے ساتھ شدت سے ٹکرائے گی، حتیٰ کہ اس آواز کی وجہ سے زمین اور پہاڑ بھی ایک دوسرے سے ٹکرا جائیں گے، جیسا کہ فرمایا: ﴿وَ حُمِلَتِ الْاَرْضُ وَ الْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً﴾ [الحاقۃ : ۱٤] "اور زمین اور پہاڑوں کو اٹھایا جائے گا، پس دونوں ٹکرا دیے جائیں گے، ایک بار ٹکرا دینا۔"

آیت 3،2 مَا الْقَارِعَةُ ۝ وَ مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ: یعنی وہ "اَلْقَارِعَةُ" کیا ہے؟ کس قدر عجیب اور کتنی خوف ناک ہے؟ تجھے کس چیز نے معلوم کروایا کہ وہ "قارعہ" کیا چیز ہے؟ یعنی وہ آتی عظیم الشان اور عجیب و غریب ہے کہ مخلوق میں سے کوئی اس کی شدت و عظمت جانتا ہی نہیں کہ تجھے بتائے۔ ہاں، اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے، اس لیے اس نے خود ہی اگلی آیت میں اپنے فضل سے اس کا کچھ حال بیان فرما دیا۔

آیت 4 يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ: "اَلْفَرَاشُ" اسم جنس ہے، مفرد کے لیے "فَرَاشَةٌ" آتا ہے، پروانے۔ یعنی جس طرح پروانے بے شمار تعداد میں ایک دوسرے کے گرد اڑتے، گھومتے اور آپس میں ٹکراتے ہوئے آگ کی طرف تیزی سے جا رہے ہوتے ہیں اسی طرح سب لوگ ایسی ہی پریشانی اور تیزی کے ساتھ میدانِ محشر میں بلانے والے کی طرف جائیں گے، جیسا کہ فرمایا: ﴿خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ۝ مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ﴾ [القمر : ۷، ۸] "ان کی نظریں جھکی ہوں گی، وہ قبروں سے نکلیں گے جیسے وہ پھیلی ہوئی ٹڈیاں ہوں۔ پکارنے والے کی طرف گردن اٹھا کر دوڑنے والے ہوں گے۔" اور فرمایا: ﴿مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ وَ اَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ﴾ [ابراہیم : ٤٣] "اس حال میں کہ تیز دوڑنے والے، اپنے سروں کو اوپر اٹھانے والے ہوں گے، ان کی نگاہ ان کی طرف نہیں لوٹے گی اور ان کے دل خالی ہوں گے۔" اور فرمایا: ﴿يَوْمَىِٕذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ﴾ [طٰہٰ :

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ۝۵ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝۶ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝۷ وَ اَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝۸ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ۝۹

اور پہاڑ دھنکی ہوئی رنگین اون کی طرح ہو جائیں گے ۵ تو لیکن وہ شخص جس کے پلڑے بھاری ہو گئے ۶ تو وہ خوشی کی زندگی میں ہوگا ۷ اور لیکن وہ شخص جس کے پلڑے ہلکے ہو گئے ۸ تو اس کی ماں ہاویہ ہے ۹

۱۰۸] ''اس دن وہ پکارنے والے کا پیچھا کریں گے، جس کے لیے کوئی کجی نہ ہوگی۔'' اور وہاں پہنچ کر بھی انھیں قرار نہیں ہوگا، بلکہ اسی طرح بے قرار و بے تاب بھاگتے پھریں گے، فرمایا: ﴿ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ..... لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ﴾ [عبس : ۳۴ تا ۳۷] ''جس دن آدمی اپنے بھائی سے بھاگے گا..... اس دن ان میں سے ہر شخص کی ایک ایسی حالت ہوگی جو اسے (دوسروں سے) بے پروا بنا دے گی۔''

آیت 5 وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ: ''الْعِهْنُ'' اون یا رنگین اون۔ ''الْمَنْفُوْشِ'' دھنکی ہوئی۔ قیامت کے دن پہاڑ دھنک کر اون یا روئی کے گالوں کی طرح کر دیے جائیں گے، جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ﴾ [طٰہٰ : ۱۰۵] ''اور وہ تجھ سے پہاڑوں کے متعلق سوال کرتے ہیں، تو کہہ دے کہ میرا رب انھیں خوب اچھی طرح دھنک کر رکھ دے گا۔'' چونکہ پہاڑ سرخ، سیاہ، سفید اور بے شمار رنگوں والے ہیں، اس لیے جب وہ دھنکے جائیں گے تو رنگی اور دھنکی ہوئی اون کی طرح ہو جائیں گے۔ قیامت کے دن پہاڑوں پر گزرنے والے مختلف احوال کے لیے دیکھیے سورۂ نبا (۲۰) کی تفسیر۔

آیت 6 فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ: ''مَوَازِيْنُ'' ''مِيْزَانٌ'' کی جمع ہے، ترازو۔ مراد ترازو کے پلڑے ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھیے سورۂ اعراف (۸، ۹) کی تفسیر۔ اس کے بعد اعمال کا وزن ہوگا۔ ''مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ'' (جس کے پلڑے بھاری ہو گئے) سے مراد نیکیوں کے پلڑے ہیں۔

آیت 7 فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ: ''عَاشَ يَعِيْشُ عَيْشًا وَ مَعَاشًا وَ عِيْشَةً وَ مَعِيْشَةً'' (ض) زندگی والا ہونا۔ ''عِيْشَةٍ'' ''فِعْلَةٌ'' کے وزن پر مصدر ہے، جو حالت اور کیفیت پر دلالت کرتا ہے، تو ''عِيْشَةٍ'' زندگی کی حالت۔ ''رَاضِيَةٍ'' ''رَضِيَ يَرْضٰى رِضًا'' (س) سے ہے، یہاں ''رَاضِيَةٍ'' بمعنی ''ذَاتُ الرِّضَا'' ہے، یعنی خوشی والی زندگی، جیسے ''تَامِرٌ'' کھجور والے کو اور ''لَابِنٌ'' دودھ والے کو کہا جاتا ہے۔

آیت 9.8 وَ اَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ.....: ''هَاوِيَةٌ'' ''هَوٰى يَهْوِيْ هُوِيًّا'' (ض) گرنا۔ ''هَاوِيَةٌ'' کا لفظی معنی گڑھا ہے جس میں گرا جائے، مراد جہنم ہے۔ ''فَاُمُّهٗ'' ''اس کی ماں'' مراد اس کا ٹھکانا ہے، جس طرح ماں اپنے بچے کو گود میں جگہ دیتی ہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَاهِيَهْ ﴿۱۰﴾ نَارٌ حَامِيَةٌ ﴿۱۱﴾

اور تجھے کس چیز نے معلوم کروایا کہ وہ کیا ہے؟ ﴿۱۰﴾ ایک سخت گرم آگ ہے ﴿۱۱﴾

آیت 10 ❶ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَاهِيَهْ: "مَآ اَدْرٰىكَ" کے ساتھ سوال اس کی ہولناکی نمایاں کرنے کے لیے ہے۔

❷ "مَاهِيَهْ" اصل میں "مَا هِيَ" ہے، وہ کیا ہے؟ یاء کے فتحہ کی حفاظت کے لیے وقف کے وقت اس کے بعد ساکن ہاء لگا دیتے ہیں، اسے ہائے وقف کہتے ہیں جو ملا کر پڑھیں تو گر جاتی ہے۔ بعض قُرّاء ملا کر پڑھنے کی صورت میں بھی اسے باقی رکھتے ہیں۔

آیت 11 نَارٌ حَامِيَةٌ: "حَامِيَةٌ" "حَمِيَ يَحْمٰى حَمْيًا" (س) (گرم ہونا) سے اسم فاعل ہے، یعنی وہ ہاویہ صرف ایک بے انتہا گہرا گڑھا ہی نہیں بلکہ سراسر آگ ہے، جو سخت گرم ہے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «نَارُكُمْ جُزْءٌ مِّنْ سَبْعِيْنَ جُزْءًا مِّنْ نَارِ جَهَنَّمَ» [بخاري، بدء الخلق، باب صفة النار و أنها مخلوقة: ۳۲۶۵] "تمھاری آگ جہنم کی آگ کے ستر (۷۰) حصوں میں سے ایک حصہ ہے۔" اللہ ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

سُوْرَةُ التَّكَاثُرِ ۱۰۲ مکیۃ ۱۶ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — آیاتھا ۸ رکوعھا ۱

اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ ۝۱ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝۲

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے۔

تمھیں ایک دوسرے سے زیادہ حاصل کرنے کی حرص نے غافل کر دیا ① یہاں تک کہ تم نے قبرستان جا دیکھے ② !

ابو مُطرِّف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، آپ "اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ" تلاوت فرما رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: « يَقُوْلُ ابْنُ آدَمَ مَالِيْ، مَالِيْ، قَالَ وَهَلْ لَكَ يَا ابْنَ آدَمَ! مِنْ مَّالِكَ إِلَّا مَا أَكَلْتَ فَأَفْنَيْتَ أَوْ لَبِسْتَ فَأَبْلَيْتَ أَوْ تَصَدَّقْتَ فَأَمْضَيْتَ؟ » [مسلم، الزھد والرقائق، باب الدنیا سجن للمؤمن: ۲۹۵۸] "ابن آدم کہتا ہے میرا مال، میرا مال، حالانکہ اے آدم کے بیٹے! تیرے مال میں سے تیرا مال تو صرف وہی ہے جو تو نے کھایا اور فنا کر دیا، یا پہنا اور پرانا کر دیا، یا صدقہ کیا اور آگے بھیج دیا۔"

آیت 1 ① اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ: "أَلْهٰى يُلْهِيْ" "لَهْوٌ" سے ہے، جس کا معنی ہے "کسی چیز کے ساتھ اتنا لگاؤ اور دلچسپی جو اسے اہم چیزوں سے غافل کر دے۔" "اَلتَّكَاثُرُ" "كَثْرَةٌ" سے باب تفاعل کا مصدر ہے، جس میں تشارک کا معنی پایا جاتا ہے، یعنی ایک دوسرے سے زیادہ حاصل کرنے کی کوشش۔ مال و اولاد اور جاہ و شرف، الغرض دنیا کی ہر چیز دوسرے تمام لوگوں سے زیادہ حاصل کرنے کی حرص اور پھر حاصل ہو جانے پر دوسروں پر فخر کرنا۔

② اس حرص کی حد کیا ہے؟ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: « لَوْ كَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادِيَانِ مِنْ مَّالٍ لَابْتَغٰى ثَالِثًا، وَلَا يَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ آدَمَ إِلَّا التُّرَابُ، وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ تَابَ » [بخاری، الرقاق، باب ما یتقی من فتنۃ المال: ٦٤٣٦] "اگر ابن آدم کے پاس مال کی بھری ہوئی دو وادیاں ہوں تو وہ تیسری وادی تلاش کرے گا اور آدم کے بیٹے کے پیٹ کو مٹی کے علاوہ کوئی چیز نہیں بھرتی اور اللہ اس کی طرف پلٹ آتا ہے جو واپس پلٹ آئے۔" سب سے زیادہ نقصان دہ حرص دو چیزوں کی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: « مَا ذِئْبَانِ جَائِعَانِ أُرْسِلَا فِيْ غَنَمٍ بِأَفْسَدَ لَهَا مِنْ حِرْصِ الْمَرْءِ عَلَى الْمَالِ وَالشَّرَفِ لِدِيْنِهِ » [ترمذی، الزھد، باب حدیث ما ذئبان جائعان: ۲۳۷٦، وصححہ الألبانی] "دو بھوکے بھیڑیے جو بھیڑ بکریوں میں چھوڑ دیے جائیں، وہ انھیں اتنا خراب نہیں کرتے جتنا آدمی کے مال اور شرف (اونچا ہونے) کی حرص اس کے دین کو خراب کرتی ہے۔"

③ کس چیز سے غافل کر دیا؟ اللہ کے احکام سے، اس کے دین سے اور آخرت سے۔

آیت 2 حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ: "زُرْتُمْ" "زَارَ يَزُوْرُ زِيَارَةً" (ن) (ملنے کے لیے جانا) سے ماضی معلوم ہے۔ "اَلْمَقَابِرَ" "مَقْبَرَةٌ" کی جمع ہے جو "قَبَرَ يَقْبُرُ قَبْرًا" (ن) (دفن کرنا) سے اسم ظرف ہے، دفن کی جگہیں، قبرستان۔ "زُرْتُمُ"

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳﴾ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴﴾ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ﴿۵﴾
لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ﴿۶﴾ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ﴿۷﴾ ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَىِٕذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ﴿۸﴾ ع

ہرگز نہیں، تم جلدی جان لو گے ﴿۳﴾ پھر ہرگز نہیں، تم جلدی جان لو گے ﴿۴﴾ ہرگز نہیں، کاش! تم جان لیتے، یقین کا جاننا ﴿۵﴾ کہ یقیناً تم ضرور جہنم کو دیکھو گے ﴿۶﴾ پھر یقیناً تم ضرور اسے یقین کی آنکھ سے دیکھ لو گے ﴿۷﴾ پھر یقیناً تم اس دن نعمتوں کے بارے میں ضرور پوچھے جاؤ گے ﴿۸﴾

الْمَقَابِرَ " (قبرستان جا دیکھے) کا مطلب یہ ہے کہ تمھاری موت آ گئی، یعنی موت آنے تک یہ غفلت طاری رہی، بلکہ جیسے جیسے موت قریب آتی گئی غفلت کا یہ نشہ بڑھتا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « يَكْبَرُ ابْنُ آدَمَ، وَ يَكْبَرُ مَعَهُ اثْنَتَانِ حُبُّ الْمَالِ، وَطُوْلُ الْعُمُرِ » [بخاری، الرقاق، باب من بلغ ستین سنة...... : ۶۴۲۱] "آدمی بڑا ہوتا جاتا ہے اور اس کے ساتھ دو چیزیں بڑی ہوتی جاتی ہیں، مال کی محبت اور لمبی عمر کی محبت۔"

آیت 4،3 كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ...... : یعنی اپنی غفلت کا انجام جان لو گے۔ تاکید کے لیے بات دہرائی ہے۔

آیت 7،5 كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ...... :"لَتَرَوُنَّ " "رَاٰى يَرٰى رُؤْيَةً" (ف) (دیکھنا) سے جمع حاضر فعل مضارع معلوم با نون تاکید ثقیلہ ہے، تم ضرور بالضرور دیکھو گے۔ ان آیات کی تفسیر کے لیے دیکھیے سورۂ حاقہ کی آیت (۵۱) کی تفسیر۔ مسلمان اور کافر سبھی جہنم کو دیکھیں گے، جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَ اِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ﴾ [مریم : ۷۱] "تم میں سے ہر کوئی اس پر وارد ہوگا۔" پھر اسے یقین کی آنکھ سے دیکھ لیں گے، کوئی شک و شبہ نہیں رہے گا۔

آیت 8 ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَىِٕذٍ عَنِ النَّعِيْمِ : یعنی صحت و عافیت، کھانے پینے اور دوسری تمام نعمتوں کے بارے میں سوال ہوگا کہ ان کا کہاں تک شکر ادا کیا؟ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی چھوٹی سے چھوٹی لذت اور معمولی سے معمولی عافیت ایسی نہیں جس کے بارے میں سوال نہ ہو۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن نبی ﷺ اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھوک کی وجہ سے گھر سے نکلے اور ایک انصاری کے گھر آئے، اس نے مہمانی میں کھجوریں اور بکری کا گوشت پیش کیا۔ آپ نے گوشت اور کھجوریں کھائیں اور اوپر سے شیریں پانی پیا۔ جب خوب سیر ہو چکے تو آپ ﷺ نے فرمایا: « وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ! لَتُسْأَلُنَّ عَنْ هٰذَا النَّعِيْمِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ » [مسلم، الأشربة، باب جواز استتباعه غیره...... : ۲۰۳۸] "اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم سے قیامت کے دن اس نعمت کے بارے میں (بھی) سوال ہوگا۔"

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

سورۃ العصر ۱۰۳ — مکیۃ ۱۳ — بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ — آیاتھا ۳ — رکوعھا ۱

وَ الۡعَصۡرِ ۙ﴿۱﴾ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِیۡ خُسۡرٍ ۙ﴿۲﴾ اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ تَوَاصَوۡا

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے۔

زمانے کی قسم! ① کہ بے شک ہر انسان یقیناً گھاٹے میں ہے ② سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انھوں نے

یہ سورت قرآن مجید کی مختصر ترین سورتوں میں سے ایک ہے، مگر نہایت جامع سورت ہے۔ ابن قیم رحمہ اللہ ''مفتاح دار السعادۃ'' میں فرماتے ہیں کہ شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''اگر لوگ اس سورت میں غور و فکر کریں تو یہی ان کے لیے کافی ہے۔''

آیت 1 تا 3 ① **وَ الۡعَصۡرِ ۙ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِیۡ خُسۡرٍ** ...... : قرآن مجید میں مذکور قسمیں عام طور پر اس دعویٰ کی دلیل ہوتی ہیں جو قسموں کے بعد مذکور ہوتا ہے۔ اس سورت کا مفہوم سمجھنے کے لیے خسارے کا مفہوم ذہن میں لانا ضروری ہے۔ خسارہ یا نفع کسی نہ کسی تجارت اور بیع میں ہوتا ہے جس میں آدمی اپنا رأس المال (سرمایہ) لگاتا ہے، اگر رأس المال فروخت ہو جائے اور رأس المال اور محنت سے بڑھ کر آمدنی ہو جائے تو یہ نفع ہے، ورنہ خسارہ۔ اس سورت میں زمانے کی قسم کھا کر یہ حقیقت مدلل کی گئی ہے کہ چار صفات والے لوگوں کو چھوڑ کر ہر انسان ہی خسارے میں ہے، کیونکہ انسان کے پاس رأس المال صرف اور صرف زمانے کا کچھ حصہ یعنی اس کی عمر ہے، جیسا کہ فرمایا: ﴿ اَوَ لَمۡ نُعَمِّرۡكُمۡ مَّا یَتَذَكَّرُ فِیۡهِ مَنۡ تَذَكَّرَ وَ جَآءَكُمُ النَّذِیۡرُ ﴾ [فاطر : ۳۷] ''اور کیا ہم نے تمھیں اتنی عمر نہیں دی کہ اس میں جو نصیحت حاصل کرنا چاہتا حاصل کر لیتا اور تمھارے پاس خاص ڈرانے والا بھی آیا۔'' اور یہ سرمایہ ایسا ہے جو بہت تیزی سے خود بخود ختم ہو رہا ہے، اگر ختم ہونے سے پہلے پہلے اس سے قیمتی چیز، یعنی وہ چاروں صفات حاصل کر لیں تو نفع ہے ورنہ خسارہ ہی خسارہ ہے۔ جس طرح برف بیچنے والا اس کے پگھلنے سے پہلے پہلے اسے فروخت کر لے اور اس کی اچھی قیمت حاصل کر لے تو نفع ہے، ورنہ برف اس کا انتظار نہیں کرے گی بلکہ کچھ دیر کے بعد خود بخود تحلیل ہو جائے گی، پھر اس کے خسارے میں کیا شک ہے؟

② **اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِیۡ خُسۡرٍ**: حقیقت یہ ہے کہ انسان کا خسارے سے بچنا بہت ہی مشکل ہے، کیونکہ خسارہ رأس المال ضائع کرنے کا نام ہے اور انسان کا رأس المال عمر ہے اور ایسا کم ہی ہوتا ہے کہ آدمی اپنی عمر ضائع نہ کر رہا ہو، کیونکہ آدمی پر جو گھڑی گزرتی ہے اگر اللہ کی نافرمانی میں گزری تو خسارے میں کوئی شک ہی نہیں، اگر مباح اور جائز کاموں میں گزری پھر بھی خسارہ ہے، کیونکہ اس گھڑی سے آدمی آخرت کے لیے کچھ حاصل نہ کر سکا اور اگر اطاعت اور نیکی میں گزری تو یہی نیکی اس سے بہتر طریقے پر یا اس سے بہتر کوئی اور نیکی بھی کر سکتا تھا، کیونکہ نیکی کے درجات کی کوئی انتہا نہیں اور اللہ کے جلال و قہر کے مراتب کی بھی کوئی انتہا نہیں۔ اب جس قدر کسی شخص کو ان درجات کا علم ہوگا، ان پر عمل کرے گا اور دوسروں کو ان کی تعلیم دے گا اور خود صبر اور دوسروں کو صبر کی تلقین کرے گا، تو اسی قدر خسارہ کم ہوتا جائے گا، ورنہ اعلیٰ درجے کو چھوڑ کر ادنیٰ درجے پر اکتفا تو ایک قسم کا خسارہ ہی ہے۔ خلاصہ یہ کہ انسان کسی نہ کسی قسم کے خسارے سے ضرور ہی دو چار رہتا ہے۔ (خلاصہ از رازی)

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

بِالْحَقِّ ۙ۬ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ﴿۳﴾

نیک اعمال کیے اور ایک دوسرے کو حق کی وصیت کی اور ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی ﴿۳﴾

③ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ: بعض لوگوں نے اس سورت سے ثابت کیا ہے کہ اعمال ایمان سے الگ ہیں، اس میں داخل نہیں ہیں، وہ نہ ہوں تب بھی ایمان کامل ہے، کیونکہ دونوں کو عطف کے ساتھ الگ الگ ذکر کیا گیا ہے۔ مگر یہ بات درست نہیں، بلکہ ایمان دل، زبان اور ارکان تینوں کے اعمال کا نام ہے۔ اگر عطف کی وجہ سے یہ دونوں الگ الگ ہیں تو پھر ماننا پڑے گا کہ حق کی وصیت عملِ صالح میں شامل نہیں، بلکہ عملِ صالح سے الگ کوئی چیز ہے۔ اسی طرح صبر کی وصیت حق کی وصیت اور عملِ صالح دونوں سے الگ کوئی چیز ہے، جب کہ یہ تینوں باتیں ہی درست نہیں۔ حق یہ ہے کہ ایمان کے بعد عملِ صالح کو الگ اس لیے ذکر کیا کہ ایمان کے اس جز کو کوئی شخص معمولی سمجھ کر اس سے بے اعتنائی نہ کر بیٹھے اور عملِ صالح میں سے حق کی وصیت اور صبر کی وصیت کو الگ اس لیے ذکر فرمایا کہ کوئی شخص اپنی ذات کی حد تک عملِ صالح کر کے یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ میں اب خسارے سے محفوظ ہوں۔ نہیں، بلکہ اسے یہ علم و عمل اور اس پر صبر دوسروں کو بھی سکھانا ہوگا۔

④ وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ: خسارے سے بچنے کے لیے عمل سے خالی ایمان کافی نہیں اور نہ صرف خود عمل کر لینا کافی ہے، بلکہ ایک دوسرے کو حق بات کی تاکید کرنا بھی ضروری ہے۔ حق سے مراد وہ ہدایت ہے جو وحی کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی، جس میں قرآن و حدیث دونوں شامل ہیں۔ پھر ان تینوں چیزوں یعنی حق پر ایمان لانے، اس پر عمل کرنے اور اسے دوسروں تک پہنچانے میں بے شمار مصائب و تکالیف پیش آ سکتی ہیں، ان پر خود صبر کرنا ہوگا اور تمام مسلمانوں پر لازم ہوگا کہ وہ ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کریں۔ یہاں "تَوَاصَوْا" (ایک دوسرے کو وصیت کریں) فرمایا ہے، "أَوْصَوْا" (وصیت کریں) نہیں فرمایا، جس کا مطلب یہ ہے کہ سب مسلمان ایک دوسرے کو حق اور صبر کی وصیت کرتے ہیں۔ چند آدمیوں کے ادا کرنے سے یہ فرض ادا نہیں ہوتا۔

⑤ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ: صبر کا معنی باندھنا اور روکنا ہے۔ یہ تین قسم کا ہے: ① حق پر صبر اور اس کی مسلسل پابندی، مثلاً توحید، اتباعِ سنت اور نماز روزہ پر پابند رہنا۔ ② برائی سے صبر، مثلاً شرک، زنا، قتلِ ناحق اور جھوٹ وغیرہ سے صبر۔ ③ مصیبت پر صبر اور ہر قسم کے جزع فزع سے پرہیز۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

سورۃ الھمزۃ ۱۰۴ — بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ — آیاتہا ۹ رکوعہا ۱

وَيۡلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِۣ ۙ﴿۱﴾ الَّذِيۡ جَمَعَ مَالًا وَّ عَدَّدَهٗ ۙ﴿۲﴾

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے۔

بڑی ہلاکت ہے ہر بہت طعنہ دینے والے، بہت عیب لگانے والے کے لیے ① وہ جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھا ②

آیت 1 وَيۡلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ : "هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ" "هَمَزَ يَهْمُزُ هَمْزًا" (ن،ض) اور "لَمَزَ يَلْمُزُ لَمْزًا" (ن،ض) سے مبالغے کے صیغے ہیں، دونوں کے معنی آپس میں اس قدر ملتے ہیں کہ بعض نے انھیں ہم معنی قرار دیا ہے اور بعض نے فرق کیا ہے۔ دونوں کے مفہوم میں "اشارہ بازی، طعن اور عیب لگانا" شامل ہے۔ دوسری جگہ فرمایا: ﴿ وَ لَا تُطِعۡ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيۡنٍ ۙ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيۡمٍ ﴾ [القلم : ۱۰، ۱۱] "ہر بہت قسمیں کھانے والے حقیر کی اطاعت نہ کر۔ جو بہت طعنہ مارنے والا (یا عیب لگانے والا)، چغلی میں بہت دوڑ دھوپ کرنے والا ہے۔" اور فرمایا: ﴿ وَ لَا تَلۡمِزُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ ﴾ [الحجرات : ۱۱] "اور تم آپس میں عیب نہ لگاؤ۔"

آیت 2 ① الَّذِيۡ جَمَعَ مَالًا وَّ عَدَّدَهٗ : یعنی لوگوں کی عیب جوئی، ان پر طعنہ زنی اور ان کی تحقیر کا اصل باعث اس کی مال جمع کرنے کی حد سے بڑھی ہوئی خواہش اور شدید بخل ہے۔ اس بخل نے چونکہ اس میں فراخ دلی یا ہمدردی وغیرہ کی کوئی خوبی باقی نہیں چھوڑی، اس لیے وہ اپنی خست و کمینگی پر پردہ ڈالنے کے لیے ہر صاحب خیر پر طعن کرتا اور اس کی عیب جوئی کرتا ہے، تاکہ کوئی اس کے بخل و حرص کی مذمت کی طرف متوجہ ہی نہ ہو سکے۔ منافقین بھی یہی کام کرتے تھے، فرمایا: ﴿ اَلَّذِيۡنَ يَلۡمِزُوۡنَ الۡمُطَّوِّعِيۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَ الَّذِيۡنَ لَا يَجِدُوۡنَ اِلَّا جُهۡدَهُمۡ فَيَسۡخَرُوۡنَ مِنۡهُمۡ ﴾ [التوبۃ : ۷۹] "یہ وہ لوگ ہیں جو خوشی سے صدقہ کرنے والے مومنوں پر طعنہ زنی کرتے ہیں اور ان پر بھی جن کے پاس اپنی محنت کی کمائی کے علاوہ کچھ نہیں، سو یہ ان سے مذاق کرتے ہیں۔" اس کے علاوہ وہ زیادہ سے زیادہ مال جمع کرنے کے لیے دوسروں کی بدگوئی اور عیب جوئی کرتا ہے اور اپنے آپ کو صاف ستھرا ظاہر کرتا ہے، تاکہ لوگ ہر سودے اور ہر کام میں کسی اور سے معاملہ کرنے کے بجائے صرف اس سے معاملہ کریں اور اس کا مال بڑھتا رہے۔ اگر "هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ" کا واضح نقشہ دیکھنا ہو تو جمہوری انتخابات میں کھڑے ہونے والے امیدواروں کے بیانات پڑھ لیں کہ وہ سیٹ کے حصول کے لیے اپنے حریفوں پر کس قدر طعن اور بہتان تراشی کرتے ہیں۔

② یعنی مال جو انسان کی ضرورت پوری کرنے اور آسائش حاصل کرنے کا ذریعہ تھا، وہ اس کے لیے اصل مطلوب بن گیا۔ اب وہ اسی کو جمع کرنے اور گن گن کر رکھنے کی دھن میں لگا ہوا ہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ ۝۳ كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ۝۴ وَ مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ۝۵
نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۝۶

وہ گمان کرتا ہے کہ اس کے مال نے اسے ہمیشہ رہنے والا بنا دیا ③ ہرگز نہیں، یقیناً وہ ضرور حُطَمہ میں پھینکا جائے گا ④ اور تجھے کس چیز نے معلوم کروایا کہ وہ حُطَمہ کیا ہے؟ ⑤ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے ⑥

آیت 3 يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ: "خَلَدَ يَخْلُدُ خُلُوْدًا" (ن) ہمیشہ رہنا اور "اَخْلَدَ يُخْلِدُ اِخْلَادًا" (افعال) ہمیشہ رہنے والا بنا دینا۔ "اَخْلَدَهٗ" ماضی کا صیغہ ہے، اس لیے آیت کا ترجمہ کیا گیا ہے: "وہ گمان کرتا ہے کہ اس کے مال نے اسے ہمیشہ رہنے والا بنا دیا۔" اس کا طرزِ عمل بتاتا ہے کہ وہ مال کو موت سے بچانے والا سمجھتا ہے، کیونکہ اتنی عمر ہونے کے باوجود وہ مال جمع ہی کرتا جاتا ہے، نہ اللہ کا حق ادا کرتا ہے نہ بندوں کا، تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ یہ جمع کیا ہوا مال اسے مرنے نہیں دے گا بلکہ ہمیشہ زندہ رکھے گا۔ ورنہ ساٹھ ستر برس کی عمر میں اپنے لیے کروڑوں اربوں روپے جمع کرنے اور سیکڑوں برس باقی رہنے والی پختہ اور مضبوط عمارتیں بنانے کا اس کے سوا کیا مطلب ہے کہ یہ مال اور عمارتیں اسے ہمیشہ زندہ رکھیں گی۔ ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا: ﴿ اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ۝ وَ تَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ﴾ [الشعراء: ۱۲۸، ۱۲۹] "کیا تم ہر اونچی جگہ پر ایک یادگار بناتے ہو؟ اس حال میں کہ لاحاصل کام کرتے ہو۔ اور بڑی بڑی عمارتیں بناتے ہو، شاید کہ تم ہمیشہ رہو گے۔"

آیت 4 كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ: "لَيُنْۢبَذَنَّ" "نَبَذَ يَنْبِذُ نَبْذًا" (ض) (کسی چیز کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے پھینک دینا) سے واحد مذکر غائب مضارع مجہول بانونِ تاکید ثقیلہ ہے جو قسم کا مفہوم ادا کرتا ہے، یعنی یہ خیال ہرگز درست نہیں، بلکہ قسمیہ بات یہ ہے کہ اسے ہر حال میں اس دنیا سے جانا ہے۔ پھر اسے اس کے بُرے اعمال کی پاداش میں "حُطَمہ" میں پھینک دیا جائے گا۔ پھینکنے کے لفظ سے اس کی تذلیل و تحقیر نمایاں ہو رہی ہے۔

آیت 5 وَ مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ: یہ سوال اس کی ہولناکی بیان کرنے کے لیے ہے، یعنی تم جان ہی نہیں سکتے کہ وہ کس قدر خوف ناک چیز ہے۔ "الْحُطَمَةُ" "حَطَمَ يَحْطِمُ" (ض) سے مبالغے کا صیغہ ہے، یعنی بہت ہی زیادہ توڑ پھوڑ دینے والی۔ اس میں جو چیز ڈالی جائے گی اسے توڑ پھوڑ کر رکھ دے گی، بلکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿ لَقَدْ رَأَيْتُ جَهَنَّمَ يَحْطِمُ بَعْضُهَا بَعْضًا ﴾ [بخاري، العمل في الصلاة، باب إذا انفلتت الدابة في الصلاة: ۱۲۱۲] "یقیناً میں نے جہنم کو دیکھا کہ اس کے اپنے حصے ایک دوسرے کو توڑ رہے تھے۔"

آیت 6 نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ: "نَارُ اللّٰهِ" (اللہ کی آگ) اور "الْمُوْقَدَةُ" (بھڑکائی ہوئی) کہنے میں اس آگ کی جو ہولناکی بیان ہوئی ہے وہ کسی اور لفظ میں بیان ہو ہی نہیں سکتی۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ۝۷ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ۝۸ فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۝۹

وہ جو دلوں پر جھانکتی ہے ۝۷ یقیناً وہ ان پر (ہر طرف سے) بند کی ہوئی ہے ۝۸ لمبے لمبے ستونوں میں ۝۹

آیت 7 الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ: "تَطَّلِعُ" "اِطَّلَعَ يَطَّلِعُ اِطِّلَاعًا" (افتعال) جھانکنا۔ "الْاَفْـِٕدَةِ" "فُؤَادٌ" کی جمع ہے، دل۔ ''جو دلوں پر جھانکتی ہے'' یعنی وہ صاحبِ شعور ہے، دلوں میں جو کفر و نفاق اور بخل و کمینگی ہے یا ایمان اور سخاوت و کرم ہے سب دیکھ لیتی ہے اور جلاتی اسی کو ہے جو جلانے کے قابل ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی آگ بھی اگرچہ ہر چیز کو جلا ڈالتی ہے، مگر یہ آگ دل تک پہنچنے سے پہلے ہی آدمی کی موت واقع ہو جاتی ہے، جبکہ جہنم کی آگ جسم کو جلاتے ہوئے دل تک پہنچ جائے گی مگر آدمی مرے گا نہیں۔ دلوں تک آگ اس لیے پہنچے گی کہ دل ہی گندے عقائد، خبیث نیتوں اور کفر و نفاق کا مرکز ہے۔

آیت 9.8 اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ .....: "أَوْصَدَ يُوْصِدُ إِيْصَادًا" (افعال) "اَلْبَابَ" دروازہ بند کر دینا۔ "مُّؤْصَدَةٌ" اسم مفعول ہے، بند کی ہوئی۔ "عَمَدٍ" "عَمُوْدٌ" کی جمع ہے، یعنی انھیں جہنم میں لمبے لمبے ستونوں کے ساتھ باندھ کر چاروں طرف سے بند کر دیا جائے گا، حتیٰ کہ کوئی دروازہ یا کھڑکی بلکہ کوئی شگاف یا درز بھی باقی نہیں چھوڑی جائے گی۔ [أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهَا] دوسرا معنی یہ ہے کہ اس آگ کے شعلے لمبے لمبے ستونوں کی شکل میں ہوں گے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

سورۃ الفیل ۱۰۵ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | آیات ۵ رکوع ۱

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ①

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے۔

کیا تو نے نہیں دیکھا تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کس طرح کیا ①

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ مکہ پر اپنا احسان ذکر فرمایا ہے کہ اس نے کس معجزانہ طریقے سے بیت اللہ کی حفاظت فرمائی اور اس کو گرانے کے لیے آنے والوں کو تباہ و برباد کر دیا۔ اگر اللہ تعالیٰ اس بادشاہ کو برباد نہ کرتا تو اہلِ مکہ جس امن و چین اور آزادی کے ساتھ بیٹھے ہیں یہ امن و چین انھیں کہاں نصیب ہوتا؟ سیرت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس واقعہ کے پچاس یا پچپن روز بعد پیدا ہوئے۔

آیت 1 ① اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ ..... : "اَلَمْ تَرَ" کا لفظی معنی ہے "کیا تو نے نہیں دیکھا؟" مگر مجاہد رحمہ اللہ (جو ابن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد ہیں) نے اس کا معنی کیا ہے: "أَلَمْ تَعْلَمْ" "کیا تجھے معلوم نہیں؟" [بخاري، التفسير، باب سورة الفيل، قبل ح: ٤٩٦٤] جب قرآن اترا اس وقت یہ واقعہ اتنا معروف تھا گویا لوگوں کا آنکھوں دیکھا واقعہ ہو۔ بعض لوگوں نے اس لفظ سے یہ کشید کرنے کی کوشش کی ہے کہ نبی ﷺ نے یہ واقعہ خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اور یہ کہ آپ عالم الغیب تھے۔ درحقیقت یہ کہنا کلام عرب اور اسلوب قرآن سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اَوَ لَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ﴾ [يٰسٓ: ٧٧] "اور کیا انسان نے دیکھا نہیں کہ ہم نے اسے ایک نطفہ سے پیدا کیا تو اچانک وہ کھلا جھگڑالو ہے۔" اب کیا کسی انسان نے اپنے آپ کو نطفہ سے پیدا ہوتے ہوئے دیکھا ہے؟ یہاں بھی یہی مطلب ہے کہ "کیا تجھے معلوم نہیں کہ تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟" "أَلَمْ تَعْلَمْ" (کیا تو نے نہیں جانا) کے بجائے "اَلَمْ تَرَ" (کیا تو نے نہیں دیکھا) کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ اتنا یقینی واقعہ ہے کہ سمجھو تم نے اسے آنکھوں سے دیکھا ہے۔

② "ہاتھی والوں" سے مراد یمن کا ایک نصرانی حاکم ابرہہ اور اس کا لشکر ہے۔ ابرہہ نے ایک عظیم الشان گرجا بنا کر یہ چاہا کہ لوگ کعبہ کی طرح اس کی زیارت کے لیے آیا کریں۔ جب وہ اپنے ارادے میں کامیاب نہ ہو سکا تو وہ ایک بہت بڑا لشکر جس کے ساتھ ہاتھی بھی تھے، اپنے ہمراہ لے کر بیت اللہ کو ڈھانے کی نیت سے مکہ پہنچا۔ جب مزدلفہ اور منیٰ کے درمیان اس وادی میں پہنچا جس کا نام بعد میں وادی مُحَسِّر پڑا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے گروہ در گروہ پرندے نمودار ہوئے، جن کے پنجوں اور چونچوں میں کنکر تھے، انھوں نے اس لشکر پر وہ کنکریاں پھینکیں جن سے ابرہہ اور اس کا لشکر ہلاک ہو گیا۔ یہ سیرت اور تاریخ میں مذکور واقعے کا خلاصہ ہے۔ (دیکھیے سیرت ابن ہشام اور تفسیر ابن کثیر)

صحیح اسانید کے ساتھ رسول اللہ ﷺ سے بھی اس واقعے کا مختصر ذکر موجود ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: « إِنَّ اللّٰهَ حَبَسَ

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ۝۲ وَّ اَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۝۳ تَرْمِيْهِمْ
بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝۴ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ۝۵

کیا اس نے ان کی تدبیر کو بے کار نہیں کر دیا؟ ② اور ان پر جُھنڈ کے جُھنڈ پرندے بھیج دیے ③ جو ان پر کھنگر (پکی ہوئی مٹی) کی پتھریاں پھینکتے تھے ④ تو اس نے انھیں کھائے ہوئے بھس کی طرح کر دیا ⑤

عَنْ مَكَّةَ الْفِيْلَ ، وَسَلَّطَ عَلَيْهَا رَسُوْلَهُ وَالْمُؤْمِنِيْنَ ، فَإِنَّهَا لَا تَحِلُّ لِأَحَدٍ كَانَ قَبْلِيْ ، وَ إِنَّهَا أُحِلَّتْ لِيْ سَاعَةً مِّنْ نَهَارٍ ، وَ إِنَّهَا لَنْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ بَعْدِيْ » [بخاري، اللقطة، باب كيف تعرّف لقطة أهل مكة ؟ : ٢٤٣٤] ''اللہ تعالیٰ نے مکہ سے ہاتھیوں کو روک دیا اور اس پر اپنے رسول اور ایمان والوں کو غلبہ عطا فرما دیا، تو یہ مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں ہوا اور میرے لیے بھی دن کی ایک گھڑی کے لیے حلال ہوا ہے۔ اب میرے بعد کسی کے لیے (اس میں لڑنا) حلال نہیں ہوگا۔'' دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ حدیبیہ کے زمانے میں نکلے، جب اس گھاٹی پر پہنچے جہاں سے مکہ میں اترا جاتا تھا تو آپ کی اونٹنی بیٹھ گئی، لوگوں نے (اسے اٹھانے کے لیے) کہا: « حَلْ حَلْ » لیکن وہ بیٹھی رہی۔ لوگوں نے کہا: ''قصواء اڑ گئی، قصواء اڑ گئی۔'' تو نبی ﷺ نے فرمایا: « مَا خَلَأَتِ الْقَصْوَاءُ، وَمَا ذَاكَ لَهَا بِخُلُقٍ ، وَلٰكِنْ حَبَسَهَا حَابِسُ الْفِيْلِ » [بخاري، الشروط، باب الشروط في الجهاد : ٢٧٣١، ٢٧٣٢] ''قصواء اڑی نہیں اور نہ یہ اس کی عادت ہے، اسے تو ہاتھیوں کو روکنے والے نے روک دیا ہے۔'' ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ہاتھی والے جب مکہ پر حملے کے لیے آئے تو اللہ تعالیٰ نے انھیں روک دیا تھا۔

آیت 2 اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ: ''تَضْلِيْلٍ'' کا لفظی معنی گمراہ کرنا ہے، یعنی ان کی تدبیر اس طرف نہیں جانے دی جس طرف وہ لے جانا چاہتے تھے۔ دوسرے لفظوں میں ان کی تدبیر سیدھی نہیں پڑنے دی۔

آیت 2 وَ اَرْسَلَ عَلَيْهِمْ .....: ''اَبَابِيْلَ'' عام طور پر ایک خاص قسم کی چڑیوں کو ''ابابیل'' کہا جاتا ہے، مگر یہ درست نہیں۔ ''اَبَابِيْلَ'' ان گھوڑوں یا پرندوں کو کہا جاتا ہے جو گروہ در گروہ اور جُھنڈ کے جُھنڈ آئیں۔ یہ لفظ جمع ہی استعمال ہوتا ہے، بعض نے اس کی واحد '' اِبَّالَةٌ '' بیان کی ہے۔

آیت 4 تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ: ''سِجِّيْلٍ'' کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: « هِيَ سَنْكٌ وَ كَلٌ » [بخاري، التفسير، باب سورة : ﴿ ألم تر ﴾، قبل ح : ٤٩٦٤] ''اس سے مراد سنگ و گل ہے۔'' یعنی پکی ہوئی مٹی جسے کھنگر کہا جاتا ہے۔ لاوا اگلنے والے پہاڑوں کے اردگرد اس قسم کے جلے ہوئے سخت سنگریزے عام ملتے ہیں۔

آیت 5 ① فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ: ''عَصْفٌ'' اناج کے دانوں سے جو چھلکا اترتا ہے، بھوسا، توڑی۔ ''مَاْكُوْلٍ'' ''أَكَلَ يَأْكُلُ أَكْلًا'' (ن) سے اسم مفعول ہے، کھایا ہوا، کھائے ہوئے بھس سے مراد جانور کی لید ہے، کیونکہ جانور بھس کھا کر لید کرتا ہے اور پھر وہ خشک ہو کر ادھر ادھر بکھر جاتی ہے۔ سنگریزوں کے عذاب سے ان کے اعضا کے بکھر جانے کو اس کے

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

سورۃ قریش ۱۰۶ مکیۃ ۲۹ — بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ — آیاتہا ۴ رکوعہا ۱

لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ ① اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَ الصَّيْفِ ② فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا
الْبَيْتِ ③ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ۬ وَّ اٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ④

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے۔

قریش کے دل میں محبت ڈالنے کی وجہ سے ① ان کے دل میں سردی اور گرمی کے سفر کی محبت ڈالنے کی وجہ سے ② تو ان پر لازم ہے کہ اس گھر کے رب کی عبادت کریں ③ وہ جس نے انھیں بھوک سے (بچا کر) کھانا دیا اور خوف سے (بچا کر) امن دیا ④

ساتھ تشبیہ دی ہے۔ (طبری) اللہ تعالیٰ الفاظ کے استعمال میں اعلیٰ درجے کی شائستگی اختیار فرماتے ہیں، اس مفہوم کو "لید" کے بجائے "کھائے ہوئے بُھس" کے الفاظ میں ادا کیا ہے، اس سے ان کی زبوں حالی بھی نمایاں ہو رہی ہے۔ (قاسمی بحوالہ شہاب) یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ جانوروں کے کھانے کے بعد جو بُھوسا بچ جاتا ہے اسے وہ پاؤں میں روند دیتے ہیں اور وہ ادھر اُدھر بکھر جاتا ہے، وہ اس بُھوسے کی طرح ہو گئے۔

سورۃ القریش

آیت 1 تا 4 ① لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ ...... : "أَلِفَ يَأْلَفُ أَلْفًا" (س) "هُ" کسی سے مانوس ہونا، اس سے محبت کرنا۔ "اَلَفَ يُؤْلِفُ إِيْلَافًا" (افعال) کسی کو کسی چیز سے مانوس کر دینا، اس کے دل میں اس کی محبت ڈال دینا۔ "قُرَیْشٌ" "قَرْشٌ" کی تصغیر ہے۔ "قَرَشَ يَقْرِشُ قَرْشًا" (ض،ن) جمع کرنا۔ قریش مشہور قبیلہ ہے جس میں رسول اللہ ﷺ پیدا ہوئے۔ یہ نام ان کے حرم میں جمع ہونے کی وجہ سے رکھا گیا۔ یہ لوگ مختلف جگہوں میں بکھرے ہوئے تھے۔ قصی بن کلاب (رسول اللہ ﷺ کے جد اعلیٰ) کو خیال آیا کہ اپنے سارے قبیلے کو مکہ میں اکٹھا کرنا چاہیے، چنانچہ انھوں نے سارے قبیلے کو مکہ میں جمع کر دیا، اس لیے ان کا نام "مُجَمِّعٌ" پڑ گیا، اس طرح کعبہ کی تولّیت بھی ان کے ہاتھ آ گئی۔ یا یہ نام سمندر کی ایک مچھلی کے نام پر رکھا گیا ہے جسے "قریش" کہتے ہیں۔ المنجد میں ہے کہ اس مچھلی کو "كَلْبُ الْبَحْرِ" کہا جاتا ہے، یہ سمندر کے جانوروں کو دانتوں سے اس طرح کاٹتی ہے جس طرح تلوار کاٹتی ہے، سمندر کے تمام جانور اس سے ڈرتے ہیں۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے قریش پر اپنے کئی احسانات ذکر فرمائے ہیں۔ قریش مکہ معظمہ میں رہتے تھے اور کعبہ کے مُتولّی تھے، یہ لوگ سال میں دو تجارتی سفر کرتے تھے، گرمی کے موسم میں شام کی طرف، کیونکہ وہ سرد علاقہ ہے اور سردی کے موسم میں یمن کی طرف، کیونکہ وہ گرم علاقہ ہے۔ پہلا احسان تو یہ کہ ان کے دل میں سفر کی محبت ڈال دی، نہ انھیں سردی کے سفر میں مشقت محسوس ہوتی ہے نہ گرمی میں اور سفر ہی دنیا میں وسیلۂ ظفر ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو سفر سے مانوس نہ کرتا تو وہ

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

بھی اپنے گھروں میں بیٹھے رہتے اور سفر سے جو مال و دولت، تجربہ و علم اور دنیا بھر کے لوگوں اور علاقوں سے واقفیت حاصل ہوتی ہے وہ کبھی حاصل نہ ہوتی۔ سفر سے مانوس ہونے کی یہی نعمت قریش کو آگے چل کر ہجرت کے سفر میں کام آئی، پھر کفار کے ساتھ لڑائی میں اور اس کے بعد روم و شام، عراق و فارس، ہند و سندھ، مصر و افریقہ بلکہ مشرق و مغرب کی فتوحات میں کام آئی۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلم قوم کے دنیا پر غالب آنے اور غالب رہنے کے لیے پہلا قدم یہ ہے کہ وہ سفر سے نہ گھبرائیں اور جب نکلنے کا موقع ہو زمین ہی سے نہ چمٹ جائیں۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ کافر اقوام ہی بری، بحری اور فضائی سفروں کی اجارہ دار ہیں، مسلمان اکثر و بیشتر یہ سبق بھول چکے ہیں۔

دوسرا احسان یہ کہ اس وقت تمام عرب میں سخت بدامنی تھی، کسی کو خبر نہ تھی کہ کب اس پر حملہ ہو جائے اور اسے قتل کر دیا جائے، یا اٹھا لیا جائے یا مال لوٹ لیا جائے اور عورتیں اور بچے غلام بنا لیے جائیں۔ ایسے حالات میں صرف اہلِ مکہ ہی کو یہ امن حاصل تھا کہ کوئی ان کی طرف میلی آنکھ سے بھی نہیں دیکھتا تھا، جیسا کہ فرمایا: ﴿ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا آمِنًا وَيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ﴾ [العنکبوت : ٦٧] ''اور کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ایک امن والا حرم بنا دیا ہے، جبکہ لوگ ان کے اردگرد سے اچک لیے جاتے ہیں۔'' تیسرا احسان یہ کہ حرم کے باشندے ہونے کی وجہ سے تجارتی سفروں میں کوئی نہ ان کا قافلہ لوٹتا، نہ ان سے وہ ٹیکس لیے جاتے جو ہر قبیلہ اور ہر قوم اپنے علاقے سے گزرنے والوں سے لیتی تھی اور نہ انھیں کہیں جانے سے روکا جاتا تھا۔ چوتھا یہ کہ تمام دنیا کے لوگ حج و عمرہ کے لیے مکہ میں آتے اور دنیا بھر کا سامانِ تجارت یہاں پہنچتا۔ اس کے علاوہ ہر قسم کے پھل ابراہیم علیہ السلام کی دعا کے نتیجے میں یہاں پہنچتے، فرمایا: ﴿ أَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَهُمْ حَرَمًا آمِنًا يُجْبَى إِلَيْهِ ثَمَرَاتُ كُلِّ شَيْءٍ رِزْقًا مِنْ لَدُنَّا ﴾ [القصص : ٥٧] ''اور کیا ہم نے انھیں ایسے امن والے حرم میں جگہ نہیں دی جس کی طرف ہر چیز کے پھل کھینچ کر لائے جاتے ہیں، یہ ہماری طرف سے رزق ہے۔''

ان تجارتی سفروں اور مکہ کی تجارت کے مالک ہونے کی وجہ سے قریش نہایت مال دار تھے اور حرم کی برکت سے امن و امان سے بھی بہرہ ور تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام نعمتیں اللہ کے گھر کی برکت سے تھیں اور صرف اور صرف رب تعالیٰ کا عطیہ تھیں، پھر جب یہ تمام نعمتیں اس گھر کے مالک نے دی ہیں تو تم اس اکیلے کی عبادت کیوں نہیں کرتے اور کیوں دوسروں کو اس کا شریک بنا کر ان کے آگے سجدے کرتے، ان کے آستانوں پر نذریں دیتے اور چڑھاوے چڑھاتے ہو؟

② ''لِإِيلَافِ قُرَيْشٍ'' (قریش کے دل میں محبت ڈالنے کی وجہ سے) ترکیب کے اعتبار سے کیا ہونا چاہیے؟ یہ جار مجرور کس کے متعلق ہے؟ جواب یہ ہے کہ یہ ''فَلْيَعْبُدُوا'' کے متعلق ہے، یعنی اس وجہ سے انھیں اس گھر کے رب کی عبادت کرنی چاہیے۔ یہ نحو کے مشہور امام خلیل بن احمد کا قول ہے، مگر اس پر یہ اعتراض لازم آتا ہے کہ پھر ''فاء'' کیوں آئی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں شرط محذوف ہے، جس کے جواب میں فاء آئی ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر ان دوسری بے شمار نعمتوں کی وجہ سے یہ لوگ ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کرتے تو اس گھر کا رب ہونے ہی کی وجہ سے اس کی عبادت کریں جس گھر کی برکت

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ۝۱ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۝۲ وَ لَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝۳

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے۔

کیا تو نے اس شخص کو دیکھا جو جزا کو جھٹلاتا ہے ① تو یہی ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے ② اور مسکین کو کھانا دینے کی ترغیب نہیں دیتا ③

سے انھیں سردی گرمی میں سفر کرنے، دائمی امن وامان اور وافر رزق کی نعمتیں میسر ہیں۔ (زمخشری)

کسی بھی جگہ میں امن اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ ہمیں بھی رزق کی فراخی اور امن جیسی نعمت پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور اسی کی عبادت کرنی چاہیے، غیر اللہ کی عبادت اور شرک سے بچنا چاہیے اور شرک کے اڈوں کی تعمیر و ترقی کے بجائے توحید کے مراکز کی تعمیر و ترقی کرنی چاہیے۔ اگر ہم ایسا نہیں کریں گے تو رزق کی تنگی اور بدامنی و فساد کا سامنا کرنا پڑے گا، جیسا کہ کرنا پڑ رہا ہے۔

سورۃ الماعون

اس سورت کے مکی یا مدنی ہونے میں مفسرین کا اختلاف ہے، مگر دکھاوے کے لیے نماز پڑھنے والوں کے تذکرے سے صاف ظاہر ہے کہ یہ مدنی ہے، کیونکہ مکہ میں کسی کو دکھانے کے لیے نماز پڑھنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ اوپر سورت کے نام کے ساتھ معروف قول کے مطابق مکی لکھا گیا ہے۔

آیت 3،1 اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ...... : "دَعَّ يَدُعُّ دَعًّا" (ن) دھکے دینا۔ "کیا تو نے اس شخص کو دیکھا جو جزا کو جھٹلاتا ہے۔" یہ اوّلاً رسول اللہ ﷺ سے خطاب ہے، اس کے بعد ہر شخص اس کا مخاطب ہے۔ ان آیات میں قیامت کے دن اعمال کی جزا کو جھٹلانے کی وجہ سے کسی شخص میں جو سنگ دلی اور شقاوت پیدا ہوتی ہے اس کا ذکر فرمایا ہے۔ اس کے سامنے چونکہ دنیا ہی سب کچھ ہوتی ہے، اس لیے اسے کسی یتیم سے ہمدردی اور مسکین کی غم خواری پر کسی فائدے کی توقع ہوتی ہے نہ ان کے حقوق غصب کرنے پر کسی باز پرس اور سزا کا خوف ہوتا ہے، لہٰذا وہ ان بے بس لوگوں کے معاملے میں نہایت بے رحم ہوتا ہے۔ یتیم اپنے باپ کی وراثت مانگے یا اپنا کوئی اور حق دوا سے دھکے مار کر باہر نکال دیتا ہے۔ مسکین پر رحم کرتے ہوئے اسے خود کھانا کھلانا تو دور کی بات ہے وہ کسی دوسرے کو اس کے لیے کہنے پر بھی تیار نہیں ہوتا۔ یتیموں اور مسکینوں سے ہمدردی صرف وہ شخص کر سکتا ہے جو جزا و سزا پر ایمان رکھتا ہو۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۝

پس ان نمازیوں کے لیے بڑی ہلاکت ہے ④ وہ جو اپنی نماز سے غافل ہیں ⑤ وہ جو دکھاوا کرتے ہیں ⑥

آیت 4 تا 6 فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ......: "سَاهُوْنَ" "سَهَا يَسْهُوْ سَهْوًا" (ن) (غافل ہونا) سے اسم فاعل "سَاهٍ" (بروزن قَاضٍ) کی جمع ہے۔ "يُرَآءُوْنَ" "رَاءَ ى يُرَاءِيْ مُرَاءَاةً وَرِيَاءً" (مفاعلہ) سے فعل مضارع جمع مذکر غائب ہے، دکھاوا کرنا۔ آیات کی باہمی مناسبت یہ ہے کہ پہلی آیات میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو کھلم کھلا قیامت کو جھٹلاتے اور اس کا انکار کرتے تھے اور ان آیات میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو بظاہر مسلمان ہیں مگر دل سے قیامت کو نہیں مانتے۔ یہ منافقین تھے جو آخرت پر ایمان نہ ہونے کی وجہ سے نماز پڑھنا نہیں چاہتے تھے، مگر اپنے آپ کو مسلمان ثابت کرنے کے لیے انھیں پڑھنا پڑتی تھی۔ حقیقت میں وہ اپنی نماز سے غافل تھے، یہ غفلت کئی طرح سے تھی: ① طبری نے علی بن ابی طلحہ کی معتبر سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل فرمایا ہے کہ ان نمازیوں سے مراد منافقین ہیں جو صرف دکھاوے کے لیے نماز پڑھتے تھے، یعنی لوگوں کے سامنے ہوتے تو پڑھ لیتے ورنہ چھوڑ ہی دیتے۔ ② اور پڑھتے بھی تو وقت ضائع کرکے پڑھتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «تِلْكَ صَلَاةُ الْمُنَافِقِ يَجْلِسُ يَرْقُبُ الشَّمْسَ حَتّٰى إِذَا كَانَتْ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ قَامَ فَنَقَرَهَا أَرْبَعًا لَا يَذْكُرُ اللّٰهَ فِيْهَا إِلَّا قَلِيْلًا» [مسلم، المساجد و مواضع الصلاة، باب استحباب التبكير بالعصر : ۶۲۲] "یہ نماز منافق کی نماز ہے کہ وہ بیٹھا ہوا سورج کو دیکھتا رہتا ہے، یہاں تک کہ جب وہ شیطان کے دو سینگوں کے درمیان ہو جاتا ہے تو اٹھ کر چار ٹھونگے مارتا ہے، اس میں اللہ کو یاد نہیں کرتا مگر تھوڑا۔" ③ ان کا نماز ادا کرنے کا انداز بتاتا تھا کہ انھیں اپنی نماز سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی نماز کے متعلق فرمایا: ﴿ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَ اِذَا قَامُوْۤا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴾ [النساء : ۱۴۲] "بے شک منافق لوگ اللہ کو دھوکا دیتے ہیں، حالانکہ وہ (اللہ) ان کو دھوکا دینے والا ہے اور جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سست ہو کر کھڑے ہوتے ہیں۔ لوگوں کو دکھاوا کرتے ہیں اور اللہ کو یاد نہیں کرتے، مگر بہت کم۔" ④ نماز میں بھول تو مخلص مسلمان سے بھی ہو سکتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ہو گئی تھی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی دو رکعتیں پڑھا کر سلام پھیر دیا تھا، مگر نماز ہی سے بھول ہو جائے، یہ نفاق ہے۔ اس لیے "هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ" (ان سے ان کی نماز میں بھول ہو جاتی ہے) نہیں فرمایا، بلکہ فرمایا: ﴿ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ﴾ یعنی وہ اپنی نماز ہی سے بھولے ہوئے ہیں، انھیں خیال ہی نہیں کہ ہمیں نماز پڑھنی ہے۔ پڑھتے ہیں تو یاد ہی نہیں کہ ہم کہاں کھڑے ہیں، نہ خشوع ہے نہ خضوع، ڈاڑھی اور کپڑوں سے کھیل رہے ہیں، جمائیاں لے رہے ہیں، ادھر ادھر دیکھ رہے ہیں، غرض ساری نماز پڑھ جاتے ہیں مگر کچھ پتا نہیں کہ کیا پڑھا؟

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

وَ يَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝۷

اور عام برتنے کی چیزیں روکتے ہیں ۝۷

آیت 7 وَ يَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ: آخرت پر ایمان نہ ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کا معاملہ تو ان کی نمازوں ہی سے ظاہر ہے، لوگوں سے بھی ان کا معاملہ درست نہیں۔ وہ معمولی چیز کے ساتھ بھی کسی کو فائدہ پہنچانے پر تیار نہیں ہیں، جب اس کے عوض انھیں دنیا میں کچھ ملنے کی توقع نہ ہو۔ "الْمَاعُوْنَ" "مَعْنٌ" سے ہے، جس کا معنی "شَيْءٌ قَلِيْلٌ" (تھوڑی سی چیز) ہے۔ "تفسیر الوسیط للطنطاوی" میں ہے: "الْمَاعُوْنَ" کی اصل "مَعُوْنَةٌ" ہے جس کا مادہ "عَوْنٌ" (مدد) ہے، اس کا "الف" "تاء" کے بدلے میں لایا گیا ہے جو آخر سے حذف کر دی گئی ہے۔ گویا "الْمَاعُوْنَ" سے مراد وہ چیزیں ہیں جن سے عام ضرورتوں میں مدد لی جاتی ہے۔" (الوسیط) علی رضی اللہ عنہ اور بعض مفسرین نے اس سے مراد زکوٰۃ لی ہے، کیونکہ وہ کل مال کے مقابلے میں بالکل قلیل یعنی اڑھائی فیصد ہوتی ہے، یعنی یہ لوگ اتنا معمولی صدقہ کرنے پر بھی تیار نہیں۔ ابو ہریرہ، ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہم اور بہت سے مفسرین نے اس سے گھروں میں برتنے کی وہ چیزیں مراد لی ہیں جو ہر وقت ہر گھر میں نہیں ہوتیں بلکہ ضرورت کے وقت ایک دوسرے سے مانگ لی جاتی ہیں، مثلاً سوئی، ہانڈی، کلہاڑی، پیالہ، آگ اور پانی وغیرہ اور عام طور پر "ماعون" کا اطلاق انھی چیزوں پر ہوتا ہے۔ یعنی وہ معمولی سے معمولی چیز جو استعمال کے بعد انھیں واپس مل جائے گی، وہ بھی کسی کو دینے پر تیار نہیں، کیونکہ آخرت میں اس کے ثواب کی انھیں امید نہیں اور دنیا میں انھیں اس کا کوئی فائدہ نظر نہیں آ رہا۔ اللہ تعالیٰ نے آخرت کو جھٹلانے والے ایسے لوگوں کے لیے تباہی اور بربادی کی وعید ذکر فرمائی ہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

سورۃ الکوثر ۱۰۸ مکیۃ ۱۵ ﴿ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ﴾ آیاتھا ۳ رکوعھا ۱

اِنَّاۤ اَعۡطَيۡنٰكَ الۡكَوۡثَرَؕ ۱

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے۔

بلاشبہ ہم نے تجھے کوثر عطا کی ①

مکہ میں رسول اللہ ﷺ کے دعوتِ اسلام دینے کے بعد آپ پر بہت مشکل حالات گزرے، سب لوگ دشمن بن گئے، ہر طرف مخالفت، مالی پریشانیاں الگ، ایمان لانے والے بالکل تھوڑے سے، مزید یہ کہ نرینہ اولاد جو ہوئی وہ فوت ہوگئی، اس پر دشمن کا خوش ہونا اور آپ کا غمگین اور پریشان ہونا ایک فطری امر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح سورۂ ضحیٰ میں آپ ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَلَلۡاٰخِرَةُ خَيۡرٌ لَّكَ مِنَ الۡاُوۡلٰىؕ وَلَسَوۡفَ يُعۡطِيۡكَ رَبُّكَ فَتَرۡضٰىؕ ﴾ [الضحٰی : ٤، ٥] (اور یقیناً پیچھے آنے والی حالت تیرے لیے پہلی سے بہتر ہے اور عنقریب تیرا رب تجھے ضرور اتنا عطا کرے گا کہ تو خوش ہو جائے گا) اور سورۂ انشراح میں فرمایا: ﴿ وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَؕ ﴾ [الانشراح : ٤] (اور ہم نے تیرے لیے تیرا ذکر بلند کر دیا) اسی طرح اس سورت میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے انعامات کا تذکرہ فرما کر آپ کو تسلی دی ہے۔

آیت 1 ① اِنَّاۤ اَعۡطَيۡنٰكَ الۡكَوۡثَرَ : "اَلۡكَوۡثَرَ" "كَثۡرَةٌ" سے "فَوۡعَلٌ" کا وزن ہے جو مبالغے کا معنی دے رہا ہے، بے انتہا کثرت۔ یعنی دشمن تو یہ سمجھ رہے ہیں کہ آپ کے پاس کچھ نہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ ہم نے آپ کو بے انتہا دیا ہے۔ "اَلۡكَوۡثَرَ" میں وہ ساری خیر کثیر شامل ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی، مثلاً اسلام، نبوت، اخلاقِ حسنہ، بہترین تابع دار امت، جنت اور دوسری نعمتیں جو شمار نہیں ہو سکتیں۔ لغت کے لحاظ سے "اَلۡكَوۡثَرَ" کا معنی یہی ہے، البتہ بہت سی صحیح احادیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوثر جنت میں ایک نہر ہے جو اللہ نے مجھے عطا فرمائی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ محشر میں آپ ﷺ کو جو حوض عطا کرے گا اس کا نام بھی آپ ﷺ نے کوثر بتایا۔ اس لحاظ سے یہ تفسیر مقدم ہے، مگر ترجیح کی ضرورت تب ہے جب دونوں تفسیروں میں تعارض ہو، جو یہاں ہے ہی نہیں۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ انھوں نے "اَلۡكَوۡثَرَ" کے متعلق فرمایا: ''اس سے مراد وہ خیر ہے جو اللہ نے آپ ﷺ کو عطا فرمائی۔'' راوی کہتا ہے کہ میں نے سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے پوچھا کہ لوگ کہتے ہیں کہ وہ جنت میں ایک نہر ہے؟ تو سعید رحمہ اللہ نے کہا: ''جنت میں جو نہر ہے وہ بھی اس خیر میں شامل ہے جو اللہ نے آپ کو عطا فرمائی۔'' [بخاري، التفسیر، سورة : ﴿ إنا أعطيناك الكوثر ﴾ : ٤٩٦٦]

② نہر کوثر جنت میں ہے اور حوضِ کوثر محشر کے میدان میں ہوگا، بعض اوقات اس پر بھی نہر کوثر کا لفظ آتا ہے، کیونکہ اس حوض میں بھی جنت کے دو پرنالوں سے پانی گر رہا ہوگا۔ گویا حوض کا اصل بھی جنت والی نہر کوثر ہے۔ (فتح الباری) انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ((بَيۡنَمَا أَنَا أَسِيۡرُ فِي الۡجَنَّةِ إِذَا أَنَا بِنَهَرٍ حَافَتَاهُ قِبَابُ الدُّرِّ الۡمُجَوَّفِ، قُلۡتُ مَا

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

هٰذَا يَا جِبْرِيْلُ !؟ قَالَ هٰذَا الْكَوْثَرُ الَّذِيْ أَعْطَاكَ رَبُّكَ فَإِذَا طِيْنُهُ أَوْ طِيْنُهُ مِسْكٌ أَذْفَرُ » [بخاري، الرقاق، باب في الحوض : ٦٥٨١] ''میں جنت میں چلا جا رہا تھا تو اچانک ایک نہر آ گئی جس کے کنارے کھوکھلے موتیوں کے قُبے تھے۔ میں نے کہا: ''اے جبریل! یہ کیا ہے؟'' تو انھوں نے فرمایا: ''یہ کوثر ہے جو اللہ نے آپ کو عطا فرمائی ہے۔'' پھر دیکھا تو اس کی خوشبو یا مٹی مہکنے والی کستوری کی طرح تھی۔''

③ حوضِ کوثر میدانِ محشر میں ہے، جہاں رسول اللہ ﷺ اپنی امت کا استقبال کریں گے اور انھیں پانی پلائیں گے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ حوضِ کوثر کی روایات تیس (۳۰) سے زیادہ صحابہ سے آئی ہیں، جن میں سے بیس (۲۰) صحابہ کی احادیث صحیحین میں ہیں، باقی دوسری کتابوں میں ہیں۔ ان کی نقل صحیح ہے اور ان کے راوی مشہور ہیں۔ [دیکھیے فتح الباري، كتاب الرقاق، باب الحوض]

④ ابو ذر رضی اللہ عنہ حوضِ کوثر میں جنت کے پرنالوں کا گرنا اور حوض کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کی: ''اے اللہ کے رسول! حوض کے برتن کیسے ہوں گے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: « وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! لَآنِيَتُهُ أَكْثَرُ مِنْ عَدَدِ نُجُوْمِ السَّمَاءِ وَكَوَاكِبِهَا، أَلَا فِي اللَّيْلَةِ الْمُظْلِمَةِ الْمُصْحِيَةِ، آنِيَةُ الْجَنَّةِ مَنْ شَرِبَ مِنْهَا لَمْ يَظْمَأْ آخِرَ مَا عَلَيْهِ، يَشْخَبُ فِيْهِ مِيْزَابَانِ مِنَ الْجَنَّةِ مَنْ شَرِبَ مِنْهُ لَمْ يَظْمَأْ عَرْضُهُ مِثْلُ طُوْلِهِ مَا بَيْنَ عَمَّانَ إِلٰى أَيْلَةَ مَاؤُهُ أَشَدُّ بَيَاضًا مِّنَ اللَّبَنِ وَ أَحْلٰى مِنَ الْعَسَلِ » [مسلم، الفضائل، باب إثبات حوض نبينا ﷺ وصفاته : ٢٣٠٠] ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! اس کے برتن آسمان کے تاروں سے زیادہ ہیں، یاد رکھو! تارے بھی اس رات کے جو تاریک ہو اور بادل کے بغیر ہو۔ جنت کے برتن ایسے ہیں کہ جو ان سے پیے گا کبھی پیاسا نہ ہوگا، اس وقت کے آخر تک جو اس پر گزرے گا۔ اس حوض میں جنت سے دو پرنالے گرتے ہیں، جو اس سے پیے گا کبھی پیاسا نہ ہوگا، اس کا عرض اس کے طول کے برابر ہے، جتنا عمان سے ایلہ تک فاصلہ ہے۔ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے۔''

www.KitaboSunnat.com

⑤ کوثر کا ایک اور معنی بھی کیا گیا ہے، مشہور امام فقہ ابن جنی نے آیت: ﴿ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ ﴾ کی مناسبت سے ''الْكَوْثَرَ'' کا معنی ''ذُرِّيَّةٌ كَثِيْرَةٌ'' (کثیر اولاد) کیا ہے۔ کفارِ قریش اور آپ سے دشمنی رکھنے والے کہتے تھے کہ آپ ''ابتر'' (بے اولاد) ہیں، فوت ہو گئے تو ہماری جان چھوٹ جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ہم نے آپ کو کوثر یعنی اولاد کثیر عطا فرمائی۔ مراد اولاد فاطمہ ہے، کیونکہ بیٹی کی اولاد بھی قرآن کی رو سے اولاد ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ ﴾ [الأنعام : ٨٤] ''اور اس (ابراہیم) کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان کو (ہدایت دی)۔'' اس کے بعد کئی پیغمبروں کا نام لے کر فرمایا: ﴿ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَإِلْيَاسَ ﴾ [الأنعام :٨٥] ''یعنی اس (ابراہیم) کی اولاد میں سے زکریا، یحییٰ، عیسیٰ اور الیاس کو بھی ہدایت دی۔'' معلوم ہوا عیسیٰ علیہ السلام بھی ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں، حالانکہ ان کا باپ

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ع ۲۲

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ﴿۲﴾ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ﴿۳﴾

پس تو اپنے رب کے لیے نماز پڑھ اور قربانی کر ② یقیناً تیرا دشمن ہی لاولد ہے ③

بالاتفاق تھا ہی نہیں، بلکہ وہ ابراہیم علیہ السلام کی بیٹی مریم کی اولاد ہیں۔ معلوم ہوا کہ آدمی کی بیٹی کی اولاد بھی اس کی اولاد ہوتی ہے۔ (قاسمی) یہ معنی یعنی اولاد کثیر بھی "اَلْكَوْثَرَ" کے اس معنی میں شامل ہے جو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کیا ہے، یعنی خیر کثیر اور اس کی "اَلْاَبْتَرُ" کے ساتھ مناسبت بھی ہے۔

آیت 2 ① فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ : عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ اس آیت میں نماز پڑھنے اور قربانی کرنے کا حکم دیا گیا ہے، حالانکہ یہاں اصل مفہوم یہ ہے کہ نماز پڑھو تو صرف اپنے رب کے لیے اور قربانی کرو تو وہ بھی اسی کے لیے، کسی غیر کے لیے نہیں۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی سے کہا جائے، کھڑے ہو کر نماز پڑھو، تو اس سے مراد نماز پڑھنے کا حکم دینا نہیں ہوتا بلکہ مراد یہ حکم ہوتا ہے کہ نماز کھڑے ہو کر پڑھو، بیٹھ کر نہ پڑھو۔ یہی مفہوم سورۂ انعام میں بھی ادا ہوا ہے، فرمایا: ﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَ نُسُكِيْ وَ مَحْيَايَ وَ مَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَ بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ [الأنعام: ۱۶۲، ۱۶۳] "کہہ دے بلاشبہ میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت اللہ رب العالمین کے لیے ہے، جس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا فرماں بردار ہوں۔"

② اللہ تعالیٰ نے کوثر عطا فرمانے کا احسان ذکر کر کے صرف رب تعالیٰ ہی کے لیے نماز اور قربانی کا حکم دیا۔ "اَلْكَوْثَرَ" (خیر کثیر) کے لفظ میں وہ سب کچھ آ گیا جو اللہ نے آپ کو عطا فرمایا، کوئی چیز ایسی نہیں جو اس میں شامل نہ ہو۔ "فَصَلِّ" کی فاء کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے آپ کو خیر کثیر عطا فرمائی ہے تو اس کے شکر کا طریقہ یہ ہے کہ آپ کی ہر عبادت (بدنی ہو یا مالی) صرف اسی کے لیے ہونی چاہیے، کسی غیر کے لیے نہیں۔ یہ انتہائی ناشکری ہے کہ ہر نعمت اللہ نے دی ہو اور بدنی یا مالی بندگی کسی اور کی ہو۔

③ بظاہر کہنا تو یہ چاہیے تھا کہ ہم نے تجھے کوثر عطا کی، پس تو ہمارے ہی لیے نماز پڑھ اور قربانی کر، مگر فرمایا: "تو اپنے رب ہی کے لیے نماز پڑھ اور قربانی کر۔" اسے "اِلْتِفَاتٌ مِّنَ الْمُتَكَلِّمِ اِلَى الْغَائِبِ" کہتے ہیں۔ مقصد توجہ دلانا ہے کہ رب ہونے کی وجہ سے ہمارا حق ہے کہ ہماری ہی عبادت کرو، کسی اور کی نہیں۔

④ بعض روایات میں علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "وَانْحَرْ" کا معنی نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنا ہے، مگر وہ روایات صحیح نہیں۔ البتہ سینے پر ہاتھ باندھنے کا مسئلہ دوسری صحیح احادیث سے ثابت ہے۔

آیت 3 ① اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ : "شَانِئٌ" "شَنِئَهٗ شَنْئًا" (س، ف) (بروزن فَلْسٌ) "وَشَنَئَانًا" (نون کے فتحہ اور سکون کے ساتھ) سے اسم فاعل ہے، اس کا معنی "دشمنی رکھنے والا" ہے۔ "اَلْاَبْتَرُ" جس کی اولاد نہ ہو۔ اصل میں یہ "بَتَرَهٗ" سے مشتق ہے، جس کا معنی ہے "قَطَعَهٗ" اس نے اسے کاٹ دیا۔ "حِمَارٌ أَبْتَرُ" وہ گدھا جس کی دُم کٹی ہوئی ہو۔ دُم کٹے سانپ کو بھی "ابتر" کہتے ہیں۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

سورۃ الکافرون ١٠٩ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — آیاتھا ٦، رکوعھا ١

قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ① لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ② وَ لَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ ③

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے۔

کہہ دے اے کافرو! ① میں اس کی عبادت نہیں کرتا جس کی تم عبادت کرتے ہو ② اور نہ تم اس کی عبادت کرنے

② "هُوَ" ضمیر لانے کے علاوہ "الْاَبْتَرُ" پر الف لام لانے سے کلام میں مزید حصر پیدا ہوگیا، یعنی دشمن ہی لاولد ہے، آپ نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے دشمن کہتے تھے کہ محمد (ﷺ) اکیلے ہیں، ان کی اولاد نہیں، مر گئے تو کوئی نام لینے والا نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، آپ کے نام لینے والے بے شمار ہوں گے اور قیامت تک رہیں گے۔ کلمہ پڑھتے وقت، اذان میں، اقامت میں، نماز میں، درود میں، غرض آپ کا ذکر ہمیشہ رہے گا۔ آپ کی نسبت پر لوگ فخر کریں گے۔ اولاد بھی بہت ہوگی، مگر آپ کے دشمن کا کوئی نام لیوا نہیں ہوگا۔ اگر ان کی نسل چلی بھی تو اسے اپنے کافر باپ کی طرف منسوب ہوتے پر کوئی فخر نہیں ہوگا۔

سورۃ الکافرون

آیت 1 تا 6 ① قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ . . . : طبرانی اور تفسیر ابن ابی حاتم وغیرہ میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے جو روایتیں آئی ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ ولید بن مغیرہ اور چند دیگر مشرکوں نے ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ تم ہمارے معبودوں کو برا کہنا چھوڑ دو، اس طرح ہم اور تم مل جل کر مکہ میں رہیں، اگر تم ایسا نہیں کرتے تو ایک سال تم ہمارے بتوں کی پوجا کر لیا کرو، دوسرے سال ہم تمھارے اللہ کی بندگی کر لیا کریں گے، تو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی۔ اگرچہ اس شان نزول کی روایت کی سند میں ایک شخص ابو خلف عبداللہ ضعیف ہے، لیکن آیت: ﴿قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ﴾ [الزمر: ٦٤] (کہہ دے! پھر کیا اللہ کے غیر کے بارے میں تم مجھے حکم دیتے ہو کہ میں اس کی عبادت کروں اے جاہلو!) کے مضمون سے اس شان نزول کی تائید ہوتی ہے، کیونکہ قریش کی جس فرمائش کا ذکر اس شان نزول کی روایت میں ہے، آیت کے مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ قریش نے آپ ﷺ سے اس قسم کی فرمائش ضرور کی تھی۔ (احسن التفاسیر)

② صحیح مسلم میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے طواف کی دو رکعتوں میں سورۂ اخلاص اور سورۂ کافرون پڑھیں۔ [مسلم، الحج، باب حجة النبي ﷺ: ١٢١٨] صحیح مسلم ہی میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ دونوں سورتیں یعنی سورۂ کافرون اور سورۂ اخلاص فجر کی دو رکعتوں (سنتوں) میں پڑھیں۔ [مسلم، صلاة المسافرين وقصرها، باب استحباب ركعتي سنة الفجر ...: ٧٢٦] رسول اللہ ﷺ تین وتر پڑھتے تو اس کی دوسری رکعت میں سورۂ کافرون پڑھا کرتے تھے۔ [دیکھیے ترمذي، الوتر، باب ما جاء في ما يقرأ به في الوتر: ٤٦٢، وصححه الألباني]

③ سورت کا مضمون یہ ہے کہ ساری دنیا کے کافروں کو سنا دو کہ مسلمان غیر اللہ کی عبادت کسی صورت نہیں کر سکتے، اس مسئلے پر

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

وَ لَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۝۴ وَ لَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ ۝۵ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝۶ ع

والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں ③ اور نہ میں اس کی عبادت کرنے والا ہوں جس کی عبادت تم نے کی ④ اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی عبادت میں کرتا ہوں ⑤ تمھارے لیے تمھارا دین اور میرے لیے میرا دین ہے ⑥

سمجھوتے کی کوئی گنجائش نہیں۔

④ تکرار کی حکمت: ① بہت سے اہلِ علم نے فرمایا کہ آیات میں تکرار تاکید کے لیے ہے کہ مسلمان کسی صورت بھی توحید کے متعلق کفار سے سمجھوتہ نہیں کر سکتے اور یہ کلام عرب اور قرآن مجید کا عام اسلوب ہے، جیسے فرمایا: ﴿ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۝ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ﴾ [النبا: ۴، ۵] ”ہرگز نہیں، عنقریب وہ جان لیں گے۔ پھر ہرگز نہیں، عنقریب وہ جان لیں گے۔“ اور رسول اللہ ﷺ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کی موجودگی میں علی رضی اللہ عنہ کو دوسرے نکاح کی اجازت کے متعلق فرمایا: « فَلَا آذَنُ، ثُمَّ لَا آذَنُ، ثُمَّ لَا آذَنُ » [بخاري، النكاح، باب ذبّ الرجل عن ابنته في...... : ۵۲۳۰] ”میں اس کی اجازت نہیں دیتا، پھر اس کی اجازت نہیں دیتا، پھر میں اس کی اجازت نہیں دیتا۔“ اسی طرح سورۂ رحمان اور مرسلات میں آیات کا بار بار تکرار ہے۔ یہاں تکرار کا مقصد یہ ہے کہ یہ کبھی ممکن ہی نہیں کہ میں توحید کا راستہ چھوڑ کر شرک کا راستہ اختیار کر لوں اور نہ یہ ممکن ہے کہ تم کافر رہتے ہوئے غیر اللہ کی عبادت کو یکسر ترک کر کے ایک اللہ کی عبادت پر قانع ہو جاؤ۔ شوکانی نے تکرار تاکید کے لیے ہونے کے علاوہ دوسری توجیہات کو تکلف قرار دیا ہے۔

② بخاری رحمہ اللہ نے (ابوعبیدہ سے) یہ تفسیر نقل فرمائی ہے کہ آیت: ﴿ لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴾ کا مطلب ہے کہ میں اب موجودہ وقت میں اس کی عبادت نہیں کرتا جس کی تم کرتے ہو اور آیت: ﴿ وَ لَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ آئندہ بھی جب تک میں زندہ ہوں کبھی اس کی عبادت نہیں کروں گا جس کی تم نے عبادت کی ہے۔ اسی طرح کفار کے متعلق فرمایا کہ نہ اب زمانۂ حال میں تم اس (اکیلے اللہ) کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں اور نہ آئندہ زمانۂ استقبال میں۔ اس پر ایک سوال ہے کہ کافروں کے متعلق کیسے فرمایا کہ وہ آئندہ ایک اللہ کی عبادت نہیں کریں گے، ہو سکتا ہے آئندہ وہ مسلمان ہو جائیں اور فی الواقع بے شمار کافر مسلمان ہوئے بھی ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کافر رہتے ہوئے یہ ممکن نہیں کہ وہ ایک اللہ کی عبادت کریں، مسلمان ہو جائیں تو الگ بات ہے۔ دوسرا جواب بخاری رحمہ اللہ نے ذکر فرمایا ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں کہ آیات سن کر ان کے کفر میں اضافہ ہی ہوتا ہے، ایمان ان کی قسمت میں نہیں، جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَ لَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّ كُفْرًا ﴾ [المائدۃ: ۶۸] ”اور یقیناً جو کچھ تیری طرف تیرے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے وہ ان میں سے بہت سے لوگوں کو سرکشی اور کفر میں ضرور بڑھا دے گا۔“ بخاری رحمہ اللہ کے الفاظ یہ ہیں: ”وَقَالَ غَيْرُهُ: ﴿ لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴾ اَلْآنَ وَلَا أُجِيْبُكُمْ فِيْمَا بَقِيَ مِنْ عُمُرِيْ ﴿ وَ لَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ ﴾ وَهُمُ الَّذِيْنَ قَالَ: ﴿ وَ لَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

رَبِّكَ طُغْيَانًا وَّ كُفْرًا﴾ [المائدۃ : ٦٧]" [بخاري، التفسير، سورۃ : ﴿ قل يأيها الكافرون ﴾، قبل ح : ٤٩٦٧] مطلب وہی ہے جو اوپر بیان ہوا۔

③ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس معنی کو ترجیح دی ہے کہ پہلی دو آیات میں "مَا" موصولہ ہے اور دوسری دو میں مصدریہ۔ معنی یہ ہوگا کہ میں اس چیز کی عبادت نہیں کرتا جس کی تم کرتے ہو (یعنی معبودانِ باطلہ کی) اور تم اس کی عبادت نہیں کرتے جس کی میں کرتا ہوں (یعنی ایک اللہ کی) اور نہ میں وہ عبادت کرنے والا ہوں جو تم کرتے ہو (یعنی جس طرح تم تالیاں اور سیٹیاں بجا کر ذکر کرتے ہو اور کپڑے اتار کر ننگے ہو کر طواف کرتے ہو، میں اس طرح عبادت نہیں کرتا) اور نہ تم وہ عبادت کرنے والے ہو جو میں کرتا ہوں، یعنی صرف اللہ کے بتائے ہوئے طریقے پر عبادت کرو، تم ایسا کرنے کے لیے تیار نہیں۔

④ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا "لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ" جملہ فعلیہ ہے، اس کا معنی ہے کہ نہ میں اس کی عبادت کرتا ہوں جس کی تم کرتے ہو اور "وَ لَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ" جملہ اسمیہ ہے، جس میں نفی کی تاکید زیادہ ہے، یعنی میری شان ہی نہیں اور نہ کسی وقت مجھ سے ممکن ہے کہ (رسول ہوتے ہوئے) شرک کا ارتکاب کروں۔ یعنی نہ مجھ سے یہ فعل واقع ہوا ہے اور نہ مجھ سے اس کا شرعی امکان ہے۔ "مَا عَبَدْتُّمْ" ماضی شاید اس لیے فرمایا کہ میری نبوت سے پہلے بھی تم نے جو شرک کیا اس وقت بھی وہ میرے لائق نہیں تھا، نہ میں نے اس وقت یا بعد میں کسی غیر کی پرستش کی۔ کفار کا حال دونوں جگہ جملہ اسمیہ "وَ لَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ" سے بیان فرمایا، یعنی تم میں استعداد ہی نہیں اور نہ تم سے ممکن ہے کہ تم بلاشریک غیرے اللہ واحد کی پرستش کرو۔

⑤ **لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ:** اس کے متعلق بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ آیت آیاتِ جہاد سے منسوخ ہے، مگر یہ درست نہیں۔ اب بھی کسی کافر کو زبردستی مسلمان بنانا جائز نہیں، جیسا کہ فرمایا: ﴿لَاۤ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ﴾ [البقرۃ : ٢٥٦] "دین میں زبردستی نہیں۔" اگر وہ کفر پر قائم رہنا چاہتے ہیں تو جزیہ ادا کر کے کفر پر رہ سکتے ہیں، ہاں فیصلہ قیامت کے دن ہوگا۔

اس آیت سے ان لوگوں کے نظریے کی تردید ہوتی ہے جو اسلام، موجودہ نصرانیت، یہودیت، ہندو ازم اور تمام مذاہب کو ایک ہی حقیقت کے مختلف مظاہر قرار دے کر سب کو درست قرار دیتے ہیں۔

⑥ "وَلِيَ دِيْنِ" اصل "وَلِيَ دِيْنِي" ہے، چونکہ دوسری آیات نون پر ختم ہو رہی ہیں اس لیے آخر سے "یاء" حذف کر دی، مگر اس پر کسرہ باقی رکھا ہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

سُوْرَةُ النَّصْرِ ۱۱۰ مدنیۃ ۱۱۴ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اٰيَاتُهَا ۳ رُكُوْعَاتُهَا ۱

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ ۝۱ وَ رَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝۲ فَسَبِّحْ

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے۔

جب اللہ کی مدد اور فتح آ جائے ① اور تو لوگوں کو دیکھے کہ وہ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں ② تو اپنے

آیت 1 تا 3 ① **اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ ……** : ابن کثیر نے فرمایا کہ "**اَلْفَتْحُ**" سے مراد یہاں فتح مکہ ہے، اس پر اتفاق ہے۔ عرب کے قبائل اسلام قبول کرنے کے لیے فتح مکہ کا انتظار کر رہے تھے، ان کا کہنا تھا کہ اگر یہ اپنی قوم پر غالب آ گیا تو بلاشبہ وہ نبی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے ہاتھوں سے مکہ فتح فرما دیا تو وہ فوج در فوج اسلام میں داخل ہو گئے۔ اس کے بعد دو سال نہیں گزرے تھے کہ سارا عرب مسلمان ہو گیا اور تمام قبائل میں کوئی ایسا شخص نہ تھا جو اسلام کا اقرار نہ کرتا ہو۔ (الحمد للہ) بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا، جب مکہ فتح ہوا تو ہر قوم نے چاہا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہو کر پہلے اسلام قبول کر لے اور تمام قبائل اپنے مسلمان ہونے کے لیے فتح مکہ کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ اسے اور اس کی قوم کو چھوڑ دو، اگر یہ ان پر غالب آ گیا تو بلاشبہ وہ نبی ہے۔ [دیکھیے بخاري، المغازي، باب : ۴۳۰۲]

② ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دن عمر رضی اللہ عنہ نے شیوخ بدر کی موجودگی میں مجھے بلوایا اور حاضرین سے پوچھا: ''اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ ﴾ کے متعلق تم کیا کہتے ہو؟'' تو ان میں سے بعض نے کہا کہ اس میں ہمیں حکم ہوا ہے کہ جب ہمیں فتح و نصرت حاصل ہو تو اللہ کی حمد اور استغفار کریں اور بعض خاموش رہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''ابن عباس! تم بھی یہی کہتے ہو؟'' میں نے کہا: ''نہیں!'' فرمایا: ''تو تم کیا کہتے ہو؟'' میں نے کہا: ''اس سے مراد رسول اللہ ﷺ کی موت کا وقت ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کی اطلاع دی ہے، فرمایا: ﴿ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ ﴾ ''جب اللہ کی نصرت اور فتح آ گئی۔'' یہ (فتح و نصرت) آپ ﷺ کی موت کی علامت ہے، لہٰذا اب آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجیے اور اس سے استغفار کیجیے، یقیناً وہ توّاب ہے۔'' عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''جو کچھ تم کہہ رہے ہو اس سورت کے متعلق مجھے بھی یہی معلوم ہے۔'' [بخاري، التفسير، باب قوله : ﴿ فسبح بحمد ربك …… ﴾ : ۴۹۷۰]

③ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ شیوخ بدر نے جو تفسیر کی ہے وہ بھی بہت خوب صورت مفہوم ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے بعد آٹھ رکعات ادا فرمائیں۔ اس لیے امیر لشکر کے لیے مستحب ہے کہ کوئی شہر فتح کرنے کے بعد اس میں داخل ہو تو آٹھ رکعات (نوافل) پڑھے۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے مدائن فتح کیا تو ایسے ہی کیا تھا۔ البتہ عمر بن خطاب اور ابن عباس رضی اللہ عنہم نے جو مفہوم سمجھا ہے کہ اس میں آپ ﷺ کو آپ کی موت کی اطلاع دی گئی ہے، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کا کام مکمل ہو چکا، اب آپ کو ہمارے پاس آنے کی تیاری کرنی چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی یہی سمجھا، اس لیے اس کے

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ﴿٣﴾

رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کر اور اس سے بخشش مانگ، یقیناً وہ ہمیشہ سے بہت توبہ قبول کرنے والا ہے ﴿٣﴾

بعد آپ ﷺ تسبیح وتحمید اور استغفار کثرت سے کرنے لگے۔

4 اس سورت کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ نے پہلے سے بھی زیادہ آخرت کی تیاری شروع کر دی اور زیادہ سے زیادہ تسبیح وتحمید اور استغفار کرنے لگے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ "إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ" نازل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے کوئی نماز نہیں پڑھی جس میں یہ نہ پڑھا ہو: « سُبْحَانَكَ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي » [بخاري، التفسير، سورة ﴿إذا جاء نصر الله﴾ : ٤٩٦٧] ''تو (ہر عیب سے) پاک ہے، اے ہمارے پروردگار! ہم تیری تعریف اور پاکی بیان کرتے ہیں، اے اللہ! مجھے بخش دے۔'' بخاری کی اس سے بعد والی روایت بھی عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے مروی ہے کہ آپ ﷺ اپنے رکوع اور سجدے میں کثرت سے یہ دعا پڑھتے تھے: « سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي » [بخاري، التفسير، سورة ﴿إذا جاء نصر الله﴾ : ٤٩٦٨] ''اے ہمارے اللہ! اے ہمارے پروردگار! تو (ہر عیب سے) پاک ہے، ہم تیری تعریف اور پاکی بیان کرتے ہیں، اے اللہ! مجھے بخش دے۔'' آپ ﷺ یہ دعا قرآن پر عمل کرتے ہوئے پڑھتے تھے۔

5 رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « مَنْ جَلَسَ فِي مَجْلِسٍ فَكَثُرَ فِيهِ لَغَطُهُ فَقَالَ قَبْلَ أَنْ يَقُومَ مِنْ مَجْلِسِهِ ذٰلِكَ : سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ، إِلَّا غُفِرَ لَهُ مَا كَانَ فِي مَجْلِسِهِ ذٰلِكَ » [ترمذي، الدعوات، باب ما يقول إذا قام من مجلسه : ٣٤٣٣، وقال الألباني صحيح] ''جو شخص کسی مجلس میں بیٹھے اور اس میں شور وغل زیادہ کر بیٹھے، پھر اس مجلس سے اٹھنے سے پہلے یہ پڑھ لے تو اس مجلس میں اس سے جو کچھ ہوا وہ معاف کر دیا جاتا ہے: « سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ » ''اے اللہ! تو پاک ہے اور تیری حمد کے ساتھ (ہم تیری تعریف کرتے ہیں)، میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، میں تجھ سے بخشش مانگتا ہوں اور تیری طرف توبہ کرتا ہوں۔''

6 "إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا" میں "كَانَ" استمرار کے لیے ہے، اس لیے ترجمہ کیا گیا ہے: ''یقیناً وہ ہمیشہ سے بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔''

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

سورۃ اللھب ۱۱۱ مکیۃ ۶ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ اٰیاتھا ۵ رکوعاتھا ۱

تَبَّتۡ یَدَاۤ اَبِیۡ لَہَبٍ وَّ تَبَّ ؕ﴿۱﴾

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے۔

ابولہب کے دونوں ہاتھ ہلاک ہوگئے اور وہ (خود) ہلاک ہوگیا ①

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب (سورۂ شعراء کی) آیت: ﴿ وَ اَنۡذِرۡ عَشِیۡرَتَکَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ ﴾ (اے نبی! اپنے سب سے قریبی خاندان والوں کو ڈرا) اتری تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم صفا پر چڑھے اور آواز دی: «يا بني فِهر! يا بني عدِيّ! لِبُطُوْنِ قُرَيْشٍ حَتَّى اجْتَمَعُوْا، فَجَعَلَ الرَّجُلُ إِذَا لَمْ يَسْتَطِعْ أَنْ يَخْرُجَ أَرسل رَسُوْلاً لِيَنْظُر ما هُو، فجاءَ أَبُوْ لَهَبٍ وَقُرَيْشٌ فَقَالَ أَرَأَيْتَكُمْ لَوْ أَخْبَرْتُكُمْ أَنَّ خَيْلاً بِالْوَادِي تُرِيْدُ أَنْ تُغِير عليكُمْ، أَكُنْتُمْ مُصدِّقِيّ؟ قَالُوْا نَعَمْ، مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ إِلاَّ صِدْقًا، قَالَ فَإِنِّي نَذِيرٌ لَكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شديدٍ، فقال أَبُوْ لَهَبٍ تَبًّا لَكَ سَائِرَ الْيَوْمِ، أَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا؟ فَنَزَلَتْ: ﴿ تَبَّتۡ یَدَاۤ اَبِیۡ لَہَبٍ وَّ تَبَّ ؕ﴿۱﴾ مَاۤ اَغۡنٰی عَنۡہُ مَالُہٗ وَ مَا کَسَبَ ﴾» [بخاري، التفسير، باب: ﴿وأنذر عشيرتك الأقربين ...... ﴾: ۴۷۷۰] ”اے بنی فہر! اے بنی عدی!“ اور قریش کے قبیلوں کے نام لے کر پکارا، یہاں تک کہ وہ جمع ہو گئے۔ کوئی آدمی خود نہ آ سکا تو اس نے کسی کو بھیج دیا تاکہ دیکھے کہ کیا بات ہے۔ ابولہب اور قریش کے دوسرے لوگ آ گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”یہ بتاؤ کہ اگر میں تمھیں اطلاع دوں کہ وادی میں ایک لشکر تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو کیا تم مجھے سچا سمجھو گے؟“ انھوں نے کہا: ”ہاں! ہم نے آپ سے سچ کے علاوہ کبھی کوئی اور تجربہ نہیں کیا (یعنی آپ کو ہمیشہ سچا ہی پایا)۔“ آپ نے فرمایا: ”تو پھر میں تمھیں ایک سخت عذاب سے پہلے ڈرانے والا ہوں۔“ ابولہب کہنے لگا: ”سارا دن تیرے لیے ہلاکت ہو! تو نے ہمیں اسی لیے جمع کیا ہے؟“ تو یہ سورت اتری: ﴿ تَبَّتۡ یَدَاۤ اَبِیۡ لَہَبٍ وَّ تَبَّ ؕ﴿۱﴾ مَاۤ اَغۡنٰی عَنۡہُ مَالُہٗ وَ مَا کَسَبَ ﴾ ”ابولہب کے دونوں ہاتھ ہلاک ہوگئے اور وہ (خود) ہلاک ہوگیا۔ نہ اس کے کام اس کا مال آیا اور نہ جو کچھ اس نے کمایا۔“

آیت 1 ① **تَبَّتۡ یَدَاۤ اَبِیۡ لَہَبٍ وَّ تَبَّ:** ابولہب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا تھا، نام عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب تھا۔ ”**لَہَبٍ**“ شعلے کو کہتے ہیں، ”**اَبِیۡ لَہَبٍ**“ شعلے کا باپ یا شعلے والا۔ رخساروں کی خوب صورتی اور سرخی کی وجہ سے یا طبیعت کی تیزی اور جوش کی وجہ سے ابولہب کے نام سے مشہور ہوا، پھر جہنمی ہونے کی وجہ سے فی الواقع شعلے والا ہی بن گیا۔ اس شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سخت عداوت تھی۔ باوجود اس کے کہ چچا باپ کی طرح ہوتا ہے، یہ ہر موقع پر آپ کی مخالفت کرتا اور ایذا پہنچانے کی کوشش کرتا۔ آپ کے دشمنوں میں سے یہ واحد شخص ہے جس کے نام سے قرآن میں اس کے برے انجام کی پیش گوئی کی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام میں نسب اور خاندان کی بنیاد پر نہیں بلکہ ایمان اور کفر کی بنیاد پر اپنے اور غیر کا فیصلہ ہوتا ہے۔

② رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت مخالفت اور آپ کو ہلاکت کی بد دعا دینے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ”**تَبَّتۡ یَدَاۤ اَبِیۡ لَہَبٍ وَّ تَبَّ**“

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَ مَا كَسَبَ ۝۲

نہ اس کے کام اس کا مال آیا اور نہ جو کچھ اس نے کمایا ②

فرمایا۔ اس کے دو معانی ہو سکتے ہیں، پہلا یہ کہ ابولہب کے دونوں ہاتھ ہلاک ہو گئے اور وہ خود ہلاک ہو گیا۔ یہ معنی تو ظاہر ہے۔ دوسرا یہ کہ ابولہب کے دونوں ہاتھ ہلاک ہو جائیں اور وہ (فی الواقع) ہلاک ہو گیا۔ یہ معنی فرّاء نے کیا ہے، یعنی اس کی بد دعا کے مقابلے میں اہل ایمان کی بد دعا کی جگہ اللہ تعالیٰ نے یہ الفاظ فرما دیے کہ ابولہب کے دونوں ہاتھ ہلاک ہو جائیں، پھر بتایا کہ وہ ہلاک ہو چکا۔

③ ''ابولہب کے دونوں ہاتھ ہلاک ہو گئے'' یہاں ہاتھوں کا ذکر خاص طور پر اس لیے کیا گیا کہ ایذا رسانی میں ہاتھوں کا حصہ دوسرے تمام اعضا سے زیادہ مؤثر ہوتا ہے اور ان کے ساتھ زیادہ تکلیف پہنچائی جا سکتی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ہاتھوں سے مراد اولاد اور ساتھی ہیں، جو مددگار ہوتے ہیں اور دست و بازو بنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق ایسا ہی ہوا، اس کے مددگار جنگ بدر میں برباد ہو گئے، وہ خود جنگ میں نہیں گیا، شکست کی خبر آئی تو اسی صدمے سے مر گیا۔

آیت 2 مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَ مَا كَسَبَ: ''نہ اس کے کام اس کا مال آیا اور نہ جو کچھ اس نے کمایا'' کمائی سے مفسرین نے اس کے بیٹے مراد لیے ہیں، علاوہ ازیں اس نے اپنے خیال میں جو اعمال نیکی سمجھ کر کیے تھے وہ اس کے کسی کام نہ آئے۔ صحیح بخاری میں ہے: « قَالَ عُرْوَةُ : وَ ثُوَيْبَةُ مَوْلَاةٌ لِأَبِيْ لَهَبٍ وَ كَانَ أَبُوْ لَهَبٍ أَعْتَقَهَا فَأَرْضَعَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ، فَلَمَّا مَاتَ أَبُوْ لَهَبٍ أُرِيَهُ بَعْضُ أَهْلِهِ بِشَرِّ حِيْبَةٍ (بِشَرِّ خَيْبَةٍ) قَالَ لَهُ مَاذَا لَقِيْتَ، قَالَ أَبُوْ لَهَبٍ لَمْ أَلْقَ بَعْدَكُمْ غَيْرَ (لَمْ أَلْقَ بَعْدَكُمْ خَيْرًا غَيْرَ) أَنِّيْ سُقِيْتُ فِيْ هٰذِهِ بِعَتَاقَتِيْ ثُوَيْبَةَ » [بخاري، النكاح، باب: «وأمهاتكم اللاتي أرضعنكم»: ۵۱۰۱] ''عروہ نے کہا کہ ثُوَیبہ ابولہب کی لونڈی تھی جسے ابولہب نے آزاد کیا تھا، پھر اس نے نبی ﷺ کو دودھ پلایا۔ جب ابولہب فوت ہوا تو اس کے گھر والوں میں سے کسی کو خواب میں ابولہب بہت بری حالت میں دکھایا گیا، اس نے اس سے پوچھا: ''تم کس چیز کو ملے؟'' ابولہب نے کہا: ''میں تمھارے بعد (کسی خیر کو) نہیں ملا سوائے اس کے کہ میں اپنی اس (انگلی اور انگوٹھے کی درمیانی جگہ) سے پلایا گیا ہوں، میرے ثُوَیبہ کو آزاد کرنے کی وجہ سے۔'' فتح الباری میں ہے کہ سہیلی نے ذکر کیا کہ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''جب ابولہب فوت ہوا تو میں نے اسے ایک سال بعد خواب میں بہت بری حالت میں دیکھا تو اس نے کہا: ''میں تمھارے بعد کسی راحت کو نہیں ملا مگر اتنا ہے کہ ہر سوموار کو میرا عذاب ہلکا کر دیا جاتا ہے۔'' کہا: ''اس کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ سوموار کے دن پیدا ہوئے تھے اور ثُوَیبہ نے ابولہب کو آپ کے پیدا ہونے کی خوش خبری دی تو اس نے اسے آزاد کر دیا۔'' (فتح الباری) نبی ﷺ کا میلاد منانے والے حضرات نے اس سے دلیل پکڑی ہے کہ نبی ﷺ کا یوم میلاد منانا جائز ہے۔ ان حضرات نے خیال نہیں فرمایا کہ یہ عباس رضی اللہ عنہ کا خواب ہے جو اس وقت ابھی کافر تھے، مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اب ایک طرف اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ نہ ابولہب کا مال اس کے کام آیا اور نہ جو اس نے کمایا اور ایک طرف ایک شخص کے زمانۂ کفر کا خواب ہے کہ ثُوَیبہ کا آزاد کرنا اس کے کام آیا۔ یہ بات مسلّم ہے کہ نبی ﷺ کا

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝۳ وَّامْرَاَتُهٗ ؕ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝۴ فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝۵

عنقریب وہ شعلے والی آگ میں داخل ہوگا ③ اور اس کی بیوی (بھی آگ میں داخل ہوگی) جو ایندھن اٹھانے والی ہے ④ اس کی گردن میں مضبوط بٹی ہوئی رسی ہوگی ⑤

خواب شریعت میں حجت ہے کیونکہ وہ وحی الٰہی ہے، نبی کے سوا کسی مسلمان کا خواب بھی حجت نہیں، چہ جائے کہ کسی غیر مسلم کا خواب شرعی دلیل بنایا جائے، جب کہ وہ خواب صریح طور پر قرآن مجید کے خلاف ہے، کیونکہ قرآن نے ابولہب کے ہاتھوں کا نام لے کر ان کے ہلاک ہونے کی وعید سنائی ہے۔ پھر ان حضرات نے یہ بھی خیال نہیں فرمایا کہ میلاد منانے کی اگر کوئی اصل ہوتی تو اس نیکی سے رسول اللہ ﷺ، خلفائے راشدین، صحابہ کرام اور اہل بیت ہر سال محروم نہ رہتے۔ رہی یہ بات کہ بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں اسے کیوں ذکر فرمایا ہے؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے اسے "كِتَابُ النِّكَاحِ" میں ذکر فرمایا ہے اور ان کا مقصد اس سے یہ ثابت کرنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ابولہب کی لونڈی ثُوَیبہ نے دودھ پلایا تھا اور اسی نے ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کو بھی دودھ پلایا تھا، اس لیے ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی سے نکاح نبی ﷺ کے لیے جائز نہ تھا، کیونکہ وہ آپ کی رضاعی بھتیجی تھی۔ بخاری رحمہ اللہ نے اسے میلاد منانے کے لیے پیش نہیں کیا اور نہ ہی کوئی صاحب عقل کسی غیر مسلم کے خواب سے شریعت اخذ کرتا ہے، خصوصاً جب وہ صاف قرآن مجید کے خلاف بھی ہو۔ قرآن کی اس صریح آیت کی رو سے ابولہب کو ثُوَیبہ لونڈی کا آزاد کر دینا کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکے گا۔

آیت 3، 4 ① **سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ.....:** "امْرَاَتُهٗ" کا عطف "سَيَصْلٰى" میں ابولہب کی طرف لوٹنے والی ضمیر پر ہے، یعنی وہ اور اس کی بیوی شعلے مارتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے۔ ابولہب کی بیوی ام جمیل کا نام اروٰی بنت حرب بن امیہ تھا، یہ قریش میں اونچے نسب والی عورت تھی، ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کی بہن اور معاویہ رضی اللہ عنہ کی پھوپھی تھی اور اپنے خاوند کی طرح رسول اللہ ﷺ سے سخت عداوت رکھتی تھی۔ (ابن کثیر)

② "حَمَّالَةَ الْحَطَبِ" "امْرَاَتُهٗ" سے حال ہے، یعنی اس کی بیوی ایندھن اٹھائے ہوئے آگ میں داخل ہوگی۔ مفسرین نے اس کے تین معانی بیان فرمائے ہیں، ایک یہ کہ وہ گناہوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے جہنم میں داخل ہوگی، جو جہنم کو بھڑکانے کے لیے ایندھن ہے، دوسرا یہ کہ وہ لوگوں میں رسول اللہ ﷺ کے خلاف عداوت کی آگ بھڑکاتی رہتی ہے اور تیسرا یہ کہ اپنی پیٹھ پر ایندھن لا کر آپ کی راہ میں کانٹے بچھاتی رہتی ہے۔

آیت 5 فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ: "جِيْدٌ" گردن۔ "مَسَدٍ" کھجور کی چھال کی رسّی یا گُوگل کے درخت کی چھال کی رسی یا کسی بھی چیز کی بنی ہوئی رسی یا خوب مضبوط بٹی ہوئی رسی۔ لوہے کی رسی کو بھی "مَسَدٍ" کہتے ہیں، یعنی جہنم میں اس حال میں داخل ہوگی کہ اس کی گردن میں مضبوط بٹی ہوئی رسی ہوگی۔ صحیح بخاری میں مجاہد سے منقول ہے کہ اس سے مراد وہ زنجیر ہے جو آگ میں ہوگی، جس میں مجرم پروئے جائیں گے، جیسا کہ فرمایا: ﴿ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ﴾ [الحاقة: ۳۲] "پھر ایک زنجیر میں جس کی پیمائش ستر ہاتھ ہے، اسے داخل کر دو۔"

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

سورۃ الاخلاص ۱۱۲ مکیۃ ۲۲ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اٰیاتُہا ۴ رکوعہا ۱

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے۔

کہہ دے وہ اللہ ایک ہے ①

اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "مشرکین نے کہا، اے محمد! ہمارے لیے اپنے رب کا نسب بیان کیجیے تو اللہ عزوجل نے "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" نازل فرمائی۔" [مستدرك حاكم : ۲/ ۵۴۰، ح : ۳۹۸۷] اس سورت کے صحیح احادیث میں بہت سے فضائل آئے ہیں، اختصار کی وجہ سے چند حدیثیں درج کی جاتی ہیں: ① ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ایک آدمی کو (قیام اللیل میں) "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" بار بار پڑھتے ہوئے سنا (اس سے زیادہ وہ کچھ نہیں پڑھ رہا تھا)۔ صبح ہوئی تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ سے اس کا ذکر کیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ اسے کم سمجھ رہا ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ! إِنَّهَا لَتَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْآنِ» [بخاري، فضائل القرآن، باب فضل : ﴿ قل هو الله أحد ﴾ : ۵۰۱۳] "قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یہ سورت قرآن کے ایک تہائی حصے کے برابر ہے۔" ② عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو ایک لشکر کا امیر بنا کر بھیجا، وہ نماز میں اپنی قراءت کو "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" کے ساتھ ختم کرتا تھا۔ جب وہ لوگ واپس آئے تو انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کا ذکر کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «سَلُوْهُ لِأَيِّ شَيْءٍ يَصْنَعُ ذٰلِكَ؟» "اس سے پوچھو وہ ایسا کیوں کرتا ہے؟" لوگوں نے اس سے پوچھا تو اس نے کہا: «لِأَنَّهَا صِفَةُ الرَّحْمٰنِ وَ أَنَا أُحِبُّ أَنْ أَقْرَأَ بِهَا» "اس لیے کہ یہ رحمان کی صفت ہے اور مجھے اس کے پڑھنے سے محبت ہے۔" تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «أَخْبِرُوْهُ أَنَّ اللّٰهَ يُحِبُّهُ» [بخاري، التوحيد، باب ما جاء في دعاء النبي صلی اللہ علیہ وسلم أمته ...... : ۷۳۷۵] "اسے بتا دو کہ اللہ تعالیٰ اس سے محبت رکھتا ہے۔" سوتے وقت اور دوسرے اوقات میں معوذتین کے ساتھ ملا کر یہ سورت پڑھنے کی احادیث معوذتین کے شروع میں آئیں گی۔ (ان شاء اللہ)

تنبیہ: بعض روایات میں اس سورت کو روزانہ دو سو مرتبہ یا سو مرتبہ یا پچاس مرتبہ پڑھنے کی مختلف فضیلتیں آئی ہیں، مگر ان روایات کی سندیں صحیح نہیں ہیں۔ شوکانی نے فتح القدیر میں وہ روایات درج کر کے ان کا ضعف واضح کیا ہے۔ ابن کثیر نے بھی ان روایات پر کلام کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس سورت کو تین سے زیادہ کسی عدد میں مسنون سمجھ کر پڑھنا درست نہیں۔ ہاں! اپنی سہولت کے لیے کوئی شخص کوئی عدد مقرر کر لے، اسے مسنون نہ سمجھے تو درست ہے۔

آیت 1 ❶ **قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ:** اس کی ترکیب کئی طرح سے کی گئی ہے، زیادہ واضح دو ہیں: ① "هُوَ" مبتدا ہے، لفظ "اَللّٰهُ" پہلی خبر اور "اَحَدٌ" دوسری خبر۔ معنی یہ ہوگا: "(ہمارے جس رب کا نسب پوچھ رہے ہو) وہ اللہ ہے (وہ) ایک ہے۔" ② "هُوَ" مبدل منہ اور لفظ "اَللّٰهُ" بدل، دونوں مل کر مبتدا اور "اَحَدٌ" خبر ہے۔ معنی یہ ہوگا: "وہ اللہ (جس کے متعلق تم

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

پوچھ رہے ہو) ایک ہے۔''

❷ کائنات کے خالق اور پروردگار کے بے شمار ناموں میں سے لفظ ''اللّٰهُ'' بطور علم یعنی اصل نام کے طور پر استعمال ہوتا ہے، باقی نام اس کی کسی نہ کسی صفت کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ اس کی اصل ''اَلْإِلٰهُ'' ہے، ''إِلٰهٌ'' کا معنی معبود ہے۔ تو لفظ ''اللّٰهُ'' کا معنی یہ ٹھہرا کہ وہ خاص ہستی جو عبادت کے لائق ہے، کیونکہ اس میں کمال کی تمام صفات پائی جاتی ہیں۔ ''هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ'' کا معنی یہ ہے کہ وہ رب جس کے متعلق تم پوچھ رہے ہو وہ کوئی نئی یا نامعلوم ہستی نہیں، بلکہ وہ اللہ ہے جسے تم بھی جانتے اور مانتے ہو، وہی جو معبود برحق ہے اور وہ اللہ ایک ہے۔

❸ اللّٰهُ اَحَدٌ: اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے کے تین معانی ہو سکتے ہیں اور تینوں یہاں درست ہیں، پہلا یہ کہ وہ ایک ذات ہے، دو یا تین یا زیادہ نہیں اور اس کی ذات میں تعدد نہیں، دوسرا یہ کہ وہ معبود برحق ہونے میں اکیلا ہے، اس کا کوئی ثانی یا شریک نہیں اور تیسرا یہ کہ وہ ایک ہے، اس کی تقسیم نہیں ہو سکتی اور نہ وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو سکتا ہے۔ اس ایک ہی آیت سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی بھی قسم کا شریک بنانے والوں کی تردید ہوگئی، خواہ وہ مجوس (آتش پرست) ہوں، جو دو خالق مانتے ہیں، ایک خیر کا خالق (یزداں) اور دوسرا شر کا خالق (اہرمن)، خواہ تثلیث (تین خداؤں) کو ماننے والے ہوں، خواہ ہندو ہوں جو کروڑوں دیوتاؤں کو خدائی میں حصے دار مانتے ہیں اور خواہ وہ وحدت الوجود کے قائل ہوں جو ہر چیز ہی کو اللہ مانتے ہیں، کیونکہ اگر ہر چیز ہی اللہ ہے یا ہر چیز میں اللہ ہے تو اللہ ایک تو نہ رہا، جبکہ اللہ تعالیٰ کا تعارف ہی یہ ہے کہ وہ ایک ہے، اس میں تعدد اور کثرت نہیں۔

اسی طرح ان لوگوں کے عقیدہ کی بھی تردید ہوگئی جو اللہ کے علاوہ کسی کو عالم الغیب یا اختیارات کا مالک سمجھ کر مدد کے لیے پکارتے ہیں اور انھیں خدائی اختیارات میں اللہ کا شریک بناتے ہیں۔

اسی طرح ان لوگوں کی بھی تردید ہوگئی جو اللہ کی ذات سے ٹکڑوں کے جدا ہونے کے قائل ہیں، کوئی کہتا ہے عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں، کوئی کہتا ہے عزیر علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں، کوئی کہتا ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نور میں سے پیدا ہوئے ہیں، کیونکہ ان تمام صورتوں میں کوئی نہ کوئی ہستی اللہ کی شریک ٹھہرتی ہے اور وہ ایک نہیں رہتا۔ میں نے ایک صاحب کی تقریر سنی، وہ کہہ رہے تھے: ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نور میں سے نور ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اللہ کے نور میں سے نور کس طرح جدا ہو سکتا ہے؟ میں آپ کو مثال سے سمجھاتا ہوں، دیکھیے! یہ ایک موم بتی جل رہی ہے، اس میں سے ایک اور موم بتی جلا لیں تو کیا پہلی کے نور میں کوئی کمی واقع ہوگی؟ ہرگز نہیں، اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نور میں سے نور ہیں اور اللہ کے نور میں بھی کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔'' اس بے چارے نے یہ نہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے مثالیں بیان کرنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ [النحل: ۷۴] ''پس تم اللہ کے لیے مثالیں مت بیان کرو، کیونکہ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔'' اور نہ یہ سمجھا کہ پہلی موم بتی میں کوئی کمی ہو یا نہ ہو، وہ موم بتیاں تو دو ہو گئیں، جب کہ اللہ ایک ہے اور نہ یہ سمجھا کہ اللہ کا نور نہ کسی سے نکلا ہے اور نہ اس سے کوئی نکلتا ہے۔ یہ عقیدہ تو بعینہٖ وہی عقیدہ

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝۲

اللہ ہی بے نیاز ہے ۝۲

ہے جو نصرانیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اختیار کیا۔

اسی طرح "اَللّٰهُ اَحَدٌ" سے ان لوگوں کی بھی تردید ہوئی جو کہتے ہیں کہ بندہ جب زیادہ عبادت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس میں اتر آتا ہے، پھر وہ اللہ ہی بن جاتا ہے اور دلیل میں صحیح بخاری کی وہ حدیث پیش کرتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ کا فرمان نقل ہوا ہے کہ میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے ... ان لوگوں نے سورۂ اخلاص پر غور نہ کیا کہ اس صورت میں اللہ ایک تو نہ رہا، جبکہ اس کا سب سے پہلا تعارف ہی یہ ہے کہ وہ ایک ہے اور نہ اس حدیث کے آخر پر غور کیا جس میں واضح الفاظ ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرا وہ بندہ اگر مجھ سے مانگے تو میں اسے دوں گا اور اگر مجھ سے پناہ طلب کرے تو میں اسے پناہ دوں گا۔ اگر "من تو شدم تو من شدی" کے مطابق اللہ اور بندہ ایک ہو گئے تو پھر مانگے گا کون اور دے گا کون؟ پناہ مانگنے والا کون ہوگا اور پناہ دینے والا کون؟

اسی طرح ان لوگوں کی بھی تردید ہوئی جو کہتے ہیں کہ بندہ عبادت کرتے کرتے اللہ کے ساتھ اس طرح واصل ہو جاتا ہے کہ وہ وہی بن جاتا ہے، جس طرح لوہا گرم ہوتے ہوتے آگ بن جاتا ہے۔ اس غلطی کی بنیادی وجہ بھی اللہ کے لیے مخلوق کی مثالیں بیان کرنا ہے، جبکہ اللہ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ اس کے علاوہ ان بے چاروں نے یہ نہ پایا کہ آیت ﴿اَللّٰهُ اَحَدٌ﴾ (اللہ ایک ہے) اس کی نفی کر رہی ہے، بندہ تو اللہ سے الگ ایک ذات ہے۔ مخلوق اور خالق دو ہیں ایک نہیں، جبکہ اللہ تعالیٰ ایک ہے، دو ایک کیسے بن گئے؟ یہ تو وہی نصرانیوں والا عقیدہ ہے کہ باپ خدا، بیٹا خدا، روح القدس خدا، مگر تین نہیں بلکہ ایک خدا۔ اللہ کے بندو! دو یا تین ایک کیسے بن گئے؟ الغرض، یہ ایسی مبارک سورت ہے کہ اللہ کی توحید کے خلاف جتنے عقیدے ہیں اور ان کی جتنی بھی توجیہیں کی جاتی ہیں، یہ اکیلی سورت بلکہ اس کی ایک آیت ہی ان کی تردید کے لیے کافی ہے۔ پھر اگر رسول اللہ ﷺ نے اسے قرآن کا ثلث (ایک تہائی) قرار دیا ہے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟

آیت 2 ❶ ﴿اَللّٰهُ الصَّمَدُ﴾: "الصَّمَدُ" کی تفسیر میں سلف کے کئی اقوال ہیں، ان کا خلاصہ تین اقوال میں آ جاتا ہے:

① "الصَّمَدُ" وہ سردار ہے جس کی طرف لوگ قصد کر کے جائیں، جس سے بڑا کوئی سردار نہ ہو۔ یہ "صَمَدَ" (قصد کرنا) سے مشتق ہے۔ گویا "الصَّمَدُ" بمعنی "مَصْمُوْدٌ" ہے۔ اکثر سلف سے یہی معنی نقل ہوا ہے۔ ② جو کھاتا پیتا نہ ہو۔

③ جس کا پیٹ نہ ہو، جو کھوکھلا نہ ہو، جس سے کچھ نکلتا نہ ہو ... یہ تینوں معنی صادق آتے ہیں۔

❷ عربی زبان کا قاعدہ ہے کہ جب خبر پر الف لام آ جائے تو کلام میں حصر پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر "اَللّٰهُ صَمَدٌ" ہوتا تو معنی یہ تھا کہ اللہ صمد ہے۔ اب "اَللّٰهُ الصَّمَدُ" فرمایا تو معنی یہ ہے کہ اللہ ہی "صمد" ہے، کوئی اور صمد نہیں۔ اس سے پہلی آیت میں "اَللّٰهُ اَحَدٌ" فرمایا، جس کا معنی ہے اللہ ایک ہے۔ وہاں "اَللّٰهُ الْاَحَدُ" نہیں فرمایا کہ اللہ ہی ایک ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے ک

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

لَمْ يَلِدْ ۙ وَ لَمْ يُوْلَدْ ۙ﴿۳﴾

نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ جنا گیا ﴿۳﴾

وہاں حصر کی ضرورت ہی نہیں تھی، کیونکہ وہ ہستی جو ایک ہے وہ صرف اللہ تعالیٰ ہے، کسی اور کو اَحد کہہ ہی نہیں سکتے۔ ہر ایک کا ثانی کسی نہ کسی طرح موجود ہے، کسی اور چیز میں اس کا ثانی نہ ہو تو مخلوق ہونے میں اس کے بے شمار ثانی موجود ہیں، اس لیے اس کائنات میں ایک ہستی صرف اللہ کی ہے، اس لیے وہاں حصر کی ضرورت ہی نہیں، جبکہ صمد ہونے کے دعوے دار بے شمار ہیں، جن کے پاس لوگ اپنی ضرورتوں کے لیے جاتے ہیں۔ اس لیے فرمایا اصل صمد صرف وہ ہے، کیونکہ دوسرے لوگ کتنے بھی بڑے سردار ہوں، لوگ ان کے پاس اپنی حاجتوں کے لیے جاتے ہوں، مگر وہ خود کسی نہ کسی کے محتاج ہیں۔ یہ صرف اللہ کی ہستی ہے کہ وہ کسی کا محتاج نہیں، باقی سب اس کے محتاج ہیں، وہ سب کو کھلاتا ہے، خود کھانے کا محتاج نہیں، جیسا کہ فرمایا: ﴿وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ﴾ [الأنعام : ۱٤] ”حالانکہ وہ کھلاتا ہے اور اسے نہیں کھلایا جاتا۔“ پھر نہ اس سے کوئی پیدا ہوا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا۔ ”اَلصَّمَدُ“ کے اس مفہوم کو ”بے نیاز“ کا لفظ کافی حد تک ادا کرتا ہے۔

آیت 3 ❶ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ: ”نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ کسی نے اس کو جنا“ اس آیت میں نصرانیوں کا رد ہے جو عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مانتے ہیں، یہودیوں کا رد ہے جو عُزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مانتے ہیں، مشرکین عرب کا رد ہے جو فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں مانتے ہیں، فلاسفہ کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ عقول عشرہ اللہ سے نکلی ہیں اور اب کائنات کا نظام وہ چلا رہی ہیں، ہندوؤں کا رد ہے جو کروڑوں کی تعداد میں مخلوق کو خدا مانتے ہیں اور ان مسلمان کہلانے والوں کا بھی رد ہے جو کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ائمۂ اہلِ بیت اللہ تعالیٰ کے ذاتی نور سے پیدا ہوئے ہیں۔

❷ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے لیے اولاد کی نفی کے بہت سے دلائل بیان فرمائے ہیں، ان میں سب سے واضح چار ہیں، پہلی دلیل یہ ہے کہ اولاد لازماً باپ کی جنس سے ہوتی ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی جنس ہی نہیں۔ اس آیت میں اسی دلیل کی طرف اشارہ ہے: ﴿مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ۭ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ﴾ [المائدة : ۷۵] ”نہیں ہے مسیح ابن مریم مگر ایک رسول، اس سے پہلے کئی رسول گزر گئے اور اس کی ماں صدیقہ ہے۔ وہ دونوں کھانا کھایا کرتے تھے۔“ یعنی مسیح ابن مریم علیہ السلام سے پہلے کئی رسول گزرے، وہ پہلے نہیں تھے، پھر پیدا ہوئے، وہ حادث تھے جب کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہے۔ باپ اور اولاد کی جنس ایک ہوتی ہے جب کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہے اور عیسیٰ علیہ السلام حادث ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کھاتا نہیں اور وہ دونوں کھاتے تھے۔ جنس ایک نہ رہی تو اولاد کیسے بن گئی؟ دوسری دلیل یہ کہ والد اولاد اس لیے حاصل کرتا ہے کہ وہ اس کا محتاج ہوتا ہے اور اللہ کو کسی کی کوئی حاجت نہیں۔ اس آیت میں یہی فرمایا ہے: ﴿قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ۭ هُوَ الْغَنِيُّ﴾ [یونس : ٦٨] ”انھوں نے کہا کہ اللہ نے اولاد پکڑی ہے، وہ پاک ہے، وہی تو غنی ہے۔“ یعنی وہی تو ہے جو غنی ہے، جسے کسی کی حاجت نہیں، وہ اولاد کیوں بنائے گا؟ تیسری دلیل یہ کہ تمام مخلوق اللہ

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

وَ لَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝۴

اور نہ کبھی کوئی ایک اس کے برابر کا ہے ④

کے بندے اور غلام ہیں اور بندہ ہونا بیٹا ہونے کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا، فرمایا: ﴿ وَ مَا یَنْۢبَغِیْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ یَّتَّخِذَ وَلَدًا ؕ۝ اِنْ كُلُّ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اِلَّاۤ اٰتِی الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴾ [مریم: ۹۲، ۹۳] ''اور رحمان کے لائق ہی نہیں کہ وہ اولاد پکڑے، آسمانوں میں اور زمین میں جو کوئی بھی ہے رحمان کے پاس بندہ (غلام) بن کر آنے والا ہے۔'' یعنی رحمان کی اولاد کس طرح ہو سکتی ہے، جب کہ زمین و آسمان میں جو کوئی بھی ہے وہ رحمان کے پاس غلام اور بندہ بن کر پیش ہونے والا ہے؟ بیٹا ہو اور غلام بھی ممکن ہی نہیں۔ چوتھی دلیل یہ کہ اولاد اسی کی ہوتی ہے جس کی بیوی ہو اور اللہ تعالیٰ کی بیوی ہی نہیں تو اولاد کیسے ہوگی؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اَنّٰی یَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّ لَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ﴾ [الأنعام: ۱۰۱] ''اس کی اولاد کیسے ہوگی جب کہ اس کی بیوی ہی نہیں۔''

③ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ((كَذَّبَنِي ابْنُ آدَمَ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ ذٰلِكَ، وَشَتَمَنِي وَلَمْ يَكُنْ لَهُ ذٰلِكَ، فَأَمَّا تَكْذِيبُهُ إِيَّايَ فَقَوْلُهُ لَنْ يُعِيدَنِي كَمَا بَدَأَنِي، وَلَيْسَ أَوَّلُ الْخَلْقِ بِأَهْوَنَ عَلَيَّ مِنْ إِعَادَتِهِ، وَأَمَّا شَتْمُهُ إِيَّايَ فَقَوْلُهُ اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا، وَأَنَا الْأَحَدُ الصَّمَدُ لَمْ أَلِدْ وَلَمْ أُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لِي كُفُوًا أَحَدٌ)) [بخاري، التفسير، سورۃ ﴿ قل هو الله أحد ﴾ : ۴۹۷۴] ''ابن آدم نے مجھے جھٹلا دیا حالانکہ یہ اس کا حق نہ تھا اور اس نے مجھے گالی دی حالانکہ یہ اس کا حق نہ تھا۔ اس کا مجھے جھٹلانا تو اس کا یہ کہنا ہے کہ جس طرح اس نے مجھے پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے دوبارہ نہیں بنائے گا۔ حالانکہ پہلی دفعہ پیدا کرنا مجھے دوبارہ بنانے سے آسان نہیں ہے اور اس کا مجھے گالی دینا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے اللہ نے اولاد بنائی ہے، حالانکہ میں احد ہوں، صمد ہوں۔ میں نے نہ کسی کو جنا، نہ کسی نے مجھے جنا اور نہ ہی کوئی میرے برابر کا ہے۔''

④ وَ لَمْ یُوْلَدْ: ''اور وہ جنا نہیں گیا'' یعنی کسی نے اس کو نہیں جنا، اس کا کوئی باپ نہیں ہے۔ یہ ان لوگوں کے سوال کا جواب ہے جنھوں نے کہا تھا کہ ہمیں اپنے رب کا نسب بیان کیجیے، کیونکہ جو پیدا ہوگا وہ حادث ہوگا، ہمیشہ سے نہیں ہوگا اور اللہ تعالیٰ تو ہمیشہ سے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((كَانَ اللّٰهُ وَلَمْ يَكُنْ شَيْءٌ قَبْلَهُ)) [بخاري، التوحيد، باب: ﴿ وكان عرشه على الماء ﴾ : ۷۴۱۸] ''اللہ تعالیٰ تھا اور اس سے پہلے کوئی چیز نہیں تھی۔'' معلوم ہوا کہ جو ولادت کے مرحلے سے گزرا ہو یا خلق کے مرحلے سے گزرا ہو وہ اللہ نہیں ہو سکتا۔ غلط کہتے ہیں جو کہتے ہیں کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے اور ازلی (یعنی ہمیشہ سے) ہے، یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نور سے جدا ہوئے ہیں، مگر درحقیقت وہی ہیں اور ہمیشہ سے ہیں۔ غور کرنا چاہیے کہ جو پیدا ہوا وہ ہمیشہ سے کیسے ہو گیا؟

آیت 4 ① وَ لَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ: ''كُفُوًا'' ہم مثل، جوڑ، جو برابر کا ہو۔ ''قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ'' کہنے سے اولاد اور کفو کی خود بخود نفی ہو جاتی ہے مگر ان کو پھر الگ بھی ذکر فرمایا، جیسا کہ سورۂ بقرہ کی آیت (۹۸): ﴿ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ﴾ (جو شخص اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں کا اور جبریل اور میکال کا دشمن ہو تو بلاشبہ اللہ سب کافروں کا دشمن ہے) میں ملائکہ میں شامل ہونے کے باوجود جبریل اور میکائیل کو الگ ذکر فرمایا ہے۔ اس کا پہلا فائدہ یہ ہے کہ دوبارہ ذکر کر کے اس کی طرف خاص توجہ دلانا مقصود ہوتا ہے اور دوسرا یہ کہ اس سے مزید وضاحت اور تفصیل ہو جاتی ہے۔ ممکن ہے ایک شخص کو صرف "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" کہنے سے ان دونوں باتوں کی طرف توجہ ہی نہ ہوتی یا توجہ ہوتی بھی تو وہ اتنی وضاحت سے نہ سمجھ سکتا جتنی وضاحت سے وہ انھیں الگ ذکر کرنے سے سمجھا ہے۔ علم بلاغت میں اسے تجرید کہتے ہیں۔ (التسہیل)

2 رسول اللہ ﷺ نے اس سورت کو قرآن کا ثلث قرار دیا ہے، یہ قرآن کا ثلث کس طرح ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے خود اس کی وضاحت نہیں فرمائی، اہل علم نے اپنے اپنے خیال کے مطابق اس کی توجیہ فرمائی ہے۔ بعض نے اس سے مراد ثواب لیا ہے، بعض نے فرمایا، قرآن مجید کے تین ثلث ہیں، ایک ثلث احکام، دوسرا وعد و وعید اور تیسرا اسماء وصفات ہے اور اس سورت میں اسماء وصفات بیان ہوئے ہیں۔ بعض نے اللہ کی معرفت، آخرت کی معرفت اور صراطِ مستقیم کو قرآن کے تین ثلث قرار دے کر اللہ کی معرفت کو اس سورت کا موضوع قرار دیا ہے۔ بعض نے توحید، رسالت اور آخرت کو تین حصے قرار دیا اور اس سورت کو توحید کی جامع ہونے کی وجہ سے ثلثِ قرآن قرار دیا۔ یہ اختلاف خود اس بات کی دلیل ہے کہ ہر ایک نے اپنے ذہن سے ایک بات سوچی ہے، رسول اللہ ﷺ سے اس کی وضاحت نہیں آئی، ورنہ سب اس پر متفق ہو جاتے، اس لیے بہتر یہی ہے کہ اس بات پر ایمان رکھا جائے کہ یہ سورت قرآن کے ثلث کے برابر ہے اور یہ بات اللہ کے سپرد کر دی جائے کہ ثلث کے برابر کس طرح ہے؟

3 رسول اللہ ﷺ صبح کی سنتوں میں "قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ" اور "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" پڑھا کرتے تھے۔ (دیکھیے مسلم، صلاة المسافرين، باب استحباب ركعتي سنة الفجر ..... : ۷۲۶) سورت ﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ﴾ توحید عملی کی جامع ہے کہ میں اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرتا ہوں، نہ کروں گا اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ میں کسی اور کی عبادت کروں اور سورت ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ توحید علمی کی جامع ہے کہ اللہ کے متعلق عقیدہ و علم کیا ہونا چاہیے۔ (زاد المعاد)

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

سورۃ الفلق ۱۱۳ عم ۳۰ — آیاتھا ۵ رکوعھا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے۔

کسی بھی قسم کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنے کے لیے سورۂ فلق اور سورۂ ناس جیسی کوئی چیز نہیں۔ ان سورتوں میں تمام جسمانی و روحانی آفات سے بچنے اور انھیں دور کرنے کی زبردست تاثیر موجود ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں سورتوں کی بہت فضیلت بیان فرمائی ہے، خصوصاً پناہ کے باب میں ان کو بے مثل قرار دیا ہے۔ یہاں چند احادیث درج کی جاتی ہیں:

① عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((أَلَمْ تَرَ آيَاتٍ أُنْزِلَتِ اللَّيْلَةَ لَمْ يُرَ مِثْلُهُنَّ قَطُّ : ﴿قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ وَ ﴿قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾)) [مسلم، صلاۃ المسافرین، باب فضل قراءۃ المعوذتین : ۸۱۴] ”کیا تم نے وہ آیات نہیں دیکھیں جو آج رات نازل کی گئی ہیں، جن کی مثل کبھی دیکھی ہی نہیں گئی؟ وہ سورۂ فلق اور سورۂ ناس ہیں۔“ ② ابن عابس جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: ((أَلَا أُخْبِرُكَ بِأَفْضَلِ مَا يَتَعَوَّذُ بِهِ الْمُتَعَوِّذُوْنَ ؟ قَالَ بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: ﴿قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ وَ ﴿قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ هَاتَيْنِ السُّوْرَتَيْنِ)) [نسائي، الاستعاذۃ، باب ما جاء في سورتي المعوذتين : ۵۴۳۴] ”کیا میں تمھیں سب سے بہتر وہ چیز نہ بتاؤں جس کے ساتھ پناہ پکڑنے والے پناہ پکڑتے ہیں؟“ انھوں نے کہا: ”کیوں نہیں، اے اللہ کے رسول!“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”﴿قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾“ اور ”﴿قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾“ یہ دو سورتیں۔“

③ عبداللہ بن خبیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ((خَرَجْنَا فِيْ لَيْلَةٍ مَطِيْرَةٍ وَ ظُلْمَةٍ شَدِيْدَةٍ نَطْلُبُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ يُصَلِّيْ لَنَا، قَالَ فَأَدْرَكْتُهُ، فَقَالَ قُلْ، فَلَمْ أَقُلْ شَيْئًا، ثُمَّ قَالَ قُلْ، فَلَمْ أَقُلْ شَيْئًا، قَالَ قُلْ، فَقُلْتُ مَا أَقُوْلُ؟ قَالَ قُلْ : ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ﴾ وَالْمُعَوِّذَتَيْنِ حِيْنَ تُمْسِيْ وَ تُصْبِحُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ تَكْفِيْكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ)) [ترمذي، الدعوات، باب الدعاء عند النوم : ۳۵۷۵، و قال الألباني حسن] ”ہم ایک بارش اور سخت اندھیرے والی رات میں نکلے، ہم رسول اللہ ﷺ کو تلاش کر رہے تھے، تاکہ آپ ہمیں نماز پڑھائیں۔ چنانچہ میں آپ سے جا ملا، تو آپ نے فرمایا: ”کہو۔“ میں نے کچھ نہ کہا۔ آپ نے پھر فرمایا: ”کہو۔“ تو میں نے کچھ نہ کہا۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا: ”کہو۔“ میں نے کہا: ”میں کیا کہوں؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ﴾“ اور مُعَوِّذَتَيْنِ صبح و شام تین تین مرتبہ کہہ، یہ تجھے ہر چیز سے کافی ہو جائیں گی۔“ ④ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ”مُعَوِّذَتَيْنِ نازل ہونے سے پہلے رسول اللہ ﷺ جنوں سے اور انسان کی نظر سے پناہ مانگا کرتے تھے، جب مُعَوِّذَتَيْنِ اتریں تو آپ نے ان دونوں کو معمول بنا لیا اور ان کے علاوہ کو چھوڑ دیا۔“ [ترمذي، الاستعاذۃ، باب ما جاء في الرقية بالمعوذتين : ۲۰۵۸] ترمذی نے اسے حسن صحیح اور البانی نے صحیح کہا ہے۔

⑤ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے مُعَوِّذَتَيْنِ کے متعلق پوچھا۔ عقبہ فرماتے ہیں کہ (ہم نے یہ سوال کیا تو) رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ان دونوں سورتوں کے ساتھ صبح کی جماعت کروائی۔ [نسائي، الاستعاذۃ، باب ما

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ①

تو کہہ میں مخلوق کے رب کی پناہ پکڑتا ہوں ①

جاء في سورتي المعوذتين : ٥٤٣٦ ، وصححه الألباني] اس سے معلوم ہوا کہ ان کا نام معوذتین معروف تھا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ نے لمبی سورتوں کی جگہ انھیں کافی قرار دیا۔ [دیکھیے ترمذي، الاستعاذة، باب ما جاء في الرقية بالمعوذتين : ٢٠٥٨]

⑤ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں : ’’رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر رات جب اپنے بستر پر آتے تو دونوں ہتھیلیوں کو جمع کرتے پھر ان میں پھونکتے۔ دونوں میں "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ"، "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ" اور "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ" پڑھتے، پھر دونوں ہتھیلیوں کو اپنے جسم پر جہاں تک ہو سکتا پھیرتے۔ پھیرنے کی ابتدا سر، چہرے اور جسم کے سامنے والے حصے سے کرتے۔ آپ اس طرح تین مرتبہ کرتے۔‘‘ [بخاري، فضائل القرآن، باب فضل المعوذات : ٥٠١٧] ⑥ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے روایت ہے : ’’رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیمار ہوتے تو اپنے آپ پر معوذات پڑھ کر پھونکتے تھے۔ جب آپ کا درد بہت بڑھ گیا تو میں آپ پر پڑھتی اور آپ ہی کا ہاتھ اس ہاتھ کی برکت کی امید سے (آپ کے جسم پر) پھیرتی تھی۔‘‘ [بخاري، الاستعاذة، باب ما جاء في المعوذات : ٥٠١٦] ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ان تینوں سورتوں کو مذکورہ اوقات میں روزانہ پڑھنا چاہیے، یہ ہر قسم کی روحانی اور جسمانی بیماریوں سے بھی محفوظ رکھتی ہیں اور جن و انس میں سے شیاطین کے شرور و آفات سے بھی اللہ کی پناہ میں رکھتی ہیں۔

تنبیہ : جب ہم "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ" یا معوذات پڑھتے ہیں تو ان کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنے کا مطلب یہ نہیں کہ صرف زبان سے یہ الفاظ ادا کر دیے جائیں، بلکہ ضروری ہے کہ وہ تمام خیالات، خواہشات اور اعمال ترک کرنے کی کوشش کی جائے جو شیطان کو پسند ہیں۔ جس طرح کسی شخص پر کوئی درندہ حملہ آور ہو تو اس کا صرف یہ کہنا کافی نہیں کہ میں فلاں قلعہ میں پناہ لیتا ہوں، بلکہ اسے اس قلعہ میں پہنچنے کی جدوجہد بھی کرنا ہوگی۔ اسی طرح دشمن کے حملے سے اللہ کی پناہ طلب کرنے والے اور اس پر فتح و نصرت کی دعا کرنے والے کے لیے پناہ اور دعا کے الفاظ ہی منہ سے ادا کر دینا کافی نہیں، بلکہ دشمن کے خلاف تیاری، میدان میں نکلنا اور قتل و قتال کے لیے تیار رہنا بھی ضروری ہے۔ اس کے ساتھ دعا بھی کی جائے تو واقعی اللہ تعالیٰ کی پناہ بھی حاصل ہوتی ہے اور اس کی حفاظت بھی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص عملاً تو ہر بات میں شیاطین الانس والجن کی پیروی کرے، مگر منہ سے اللہ کی پناہ طلب کرتا رہے تو یہ پناہ طلب کرنا اسے شیاطین سے اور ان کے وسوسوں سے نہیں بچا سکتا۔ اس کی ایک جامع مثال یہ ہے کہ ’’لا الٰہ الا اللہ‘‘ کہنے والا شخص یقیناً جنت میں جائے گا، اس پر جہنم کی آگ حرام ہے، مگر کیا صرف یہ الفاظ ادا کرنے والا جہنم سے اللہ کی پناہ میں چلا جاتا ہے؟ نہیں، بلکہ وہ جو "صَادِقًا مِّنْ قَلْبِهٖ" ہو، یعنی سچے دل سے صرف اللہ کو معبود برحق مانے اور اسی کی عبادت کرے، اس کے لیے یہ فضیلت ہے۔ اگر وہ کسی غیر کو یا اپنی خواہش نفس ہی کو اپنا معبود بنا لے تو پھر کروڑ دفعہ بھی ’’لا الٰہ الا اللہ‘‘ پڑھتا رہے تو جہنم سے نہیں بچ سکتا۔ (ملخص از قاسمی)

آیت 1 .. ① قُلْ اَعُوْذُ ...... : "اَعُوْذُ" "عَاذَ يَعُوْذُ عَوْذًا وَمَعَاذًا" (ن) پناہ پکڑنا۔ پناہ لینے کا مطلب یہ ہے کہ

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

مِنۡ شَرِّ مَا خَلَقَ ﴿۲﴾

اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی ﴿۲﴾

آدمی کسی چیز سے خوف محسوس کرے اور سمجھے کہ میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تو اس سے بچنے کے لیے وہ کسی دوسرے کی حفاظت میں چلا جائے یا کسی چیز کی آڑ لے لے۔ ظاہر ہے پناہ اسی کی لی جاتی ہے جس کے متعلق سمجھا جائے کہ وہ اس خوف ناک چیز سے بچا سکتا ہے۔ پناہ بعض اوقات ایسی چیزوں کی لی جاتی ہے جنھیں اللہ تعالیٰ نے بعض خوف ناک چیزوں سے بچنے کا سبب بنا دیا ہے، مثلاً دشمن سے بچنے کے لیے کسی قلعہ یا خندق یا مورچے وغیرہ کی پناہ لینا اور کسی ظالم سے بچنے کے لیے کسی طاقتور آدمی یا قوم کی پناہ لینا، یہ پناہ کسی بھی چیز کی لی جا سکتی ہے اور بعض اوقات یہ سمجھ کر پناہ لی جاتی ہے کہ وہ خطرات جن میں دنیا کے بچاؤ کے تمام ذرائع و اسباب بے کار ہو جائیں ان میں فلاں ہستی بچا سکتی ہے۔ سورۂ فلق اور سورۂ ناس میں جس پناہ کا ذکر ہے، بلکہ قرآن و حدیث میں جہاں بھی اللہ سے پناہ مانگی گئی ہے اس سے مراد پناہ کی دوسری قسم ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی دوسرے سے یہ پناہ مانگنا شرک ہے۔ مشرک لوگ اپنے تحفظ کے لیے اللہ کو چھوڑ کر دیوی دیوتاؤں، جنوں، فرشتوں یا پیروں، پیغمبروں کی پناہ لیتے اور ان کو مدد کے لیے پکارتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان سورتوں میں تعلیم دی کہ ایسے تمام خطرات سے بچنے کے لیے میری ان صفات کی پناہ لو جن سے ثابت ہو رہا ہے کہ ایسے تمام خطرات سے میں ہی تمھیں بچا سکتا ہوں۔

② **بِرَبِّ الْفَلَقِ**: "فَلَقَ يَفْلِقُ فَلْقًا" (ض) پھاڑنا۔ یہاں مصدر "الْفَلَقِ" مفعول "مَفْلُوْقٌ" کے معنی میں ہے۔ اس کی تفسیر میں معتبر اقوال دو ہیں، پہلا قول جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کا ہے جو ابن ابی حاتم نے حسن سند کے ساتھ بیان کیا ہے، ان کے علاوہ کئی تابعین کا بھی یہی قول ہے کہ "الْفَلَقِ" کا معنی صبح ہے، کیونکہ صبح رات کی تاریکی کو پھاڑ کر نمودار ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَالِقُ الْإِصْبَاحِ﴾ [الأنعام : ۹٦] "یعنی وہ رات کی تاریکی کو پھاڑ کر صبح لانے والا ہے۔" صبح کے رب کی پناہ لینے کا مطلب یہ ہے کہ جو رب رات کی تاریکی کو دور کر کے روشن صبح لانے والا ہے میں ساری مخلوق کے شر سے اس کی پناہ مانگتا ہوں، کیونکہ جب وہ رات کی تاریکی کو دور کر دیتا ہے، جس میں بے شمار شرور پائے جاتے ہیں تو اس کے لیے دوسرے شرور کو دور کرنا اور ان سے بچانا تو معمولی بات ہے۔ دوسرا قول ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے جو طبری نے علی بن ابی طلحہ کی معتبر سند کے ساتھ بیان کیا ہے اور ضحاک کا قول بھی یہی ہے کہ "الْفَلَقِ" سے وہ تمام چیزیں مراد ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کو پھاڑ کر نکالا ہے، مثلاً زمین سے نباتات، پہاڑوں سے چشمے، بادلوں سے بارش اور رحم مادر اور انڈوں سے حیوانات۔ ان کے علاوہ جہاں بھی پیدائش کا معاملہ ہے اکثر میں انشقاق (پھٹنے) کا سلسلہ موجود ہے۔ گویا "الْفَلَقِ" کا معنی مخلوق ہے، مطلب یہ ہوگا کہ میں ساری مخلوق کے مالک کی پناہ پکڑتا ہوں کہ وہ مجھے اپنی مخلوق کے شر سے بچا لے۔ یہ معنی زیادہ جامع ہے، اس لیے ترجمہ میں اسی کو اختیار کیا گیا ہے۔

آیت 2 ① **مِنۡ شَرِّ مَا خَلَقَ**: "اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی" اس میں ہر مخلوق کے ہر شر سے پناہ مانگ لی

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

وَ مِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۝۳

اور اندھیری رات کے شر سے جب وہ چھا جائے ۳

گئی ہے۔ کوئی نقصان، تکلیف یا پریشانی باقی نہیں رہی جو اس میں نہ آ گئی ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ پناہ مانگنے کے لیے یہ بہت ہی جامع سورت ہے، کیونکہ جب بندہ ساری مخلوق کے ہر شر سے بچنے کے لیے اس کے رب کی پناہ میں چلا گیا تو پھر مخلوق میں سے کون ہے جو اسے نقصان پہنچا سکے اور اگر وہ مالک ہی اپنی مخلوق کو نقصان پہنچانے سے نہ روکے تو مخلوق کے شر سے کون بچ سکتا ہے؟

❷ اس آیت میں مخلوق کے اس شر سے بھی پناہ مانگ لی گئی جو پہنچ چکا ہے، تاکہ اللہ تعالیٰ اسے دور کر دے اور اس سے بھی جس کا خوف ہے۔

آیت 3 ❶ **وَ مِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ**: اگرچہ ساری مخلوق کے شر سے پناہ مانگنے کے بعد کوئی چیز باقی نہیں رہی جس کے شر سے پناہ مانگی جائے، مگر مخلوق میں سے چند چیزوں کے شر سے خاص طور پر پناہ مانگنے کا سبق دیا گیا، کیونکہ یہ بہت ہی خوف ناک ہیں اور ان کے شر سے پناہ مانگنے کی تو بہت ہی ضرورت ہے۔

❷ "**غَاسِقٍ**" کا معنی ہے تاریک، سخت اندھیرے والی۔ قاموس میں ہے: "غَسَقَ اللَّيْلُ أَيِ اشْتَدَّتْ ظُلْمَتُهُ" ''یعنی "غَسَقَ اللَّيْلُ" کا معنی یہ ہے کہ رات کی تاریکی بہت سخت ہوگئی۔'' سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا: ﴿ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ ﴾ [بني إسرائيل : ۷۸] ''رات کے سخت تاریک ہونے تک۔'' "**وَقَبَ**" (ض) داخل ہونا، غائب ہونا۔ فراء نے "**غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ**" کا معنی کیا ہے: " اَللَّيْلُ إِذَا دَخَلَ كُلَّ شَيْءٍ وَ أَظْلَمَ" ''رات جب ہر چیز پر چھا جائے اور تاریک ہو جائے۔'' تاریک رات کے شر سے خاص طور پر پناہ مانگنے کی تلقین اس لیے کی گئی ہے کہ اندھیری رات میں بے شمار شرور و خطرات ہوتے ہیں، اکثر مجرم، چور، ڈاکو، زانی، قاتل اور شب خون مارنے والے رات ہی کو نکلتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کو رات ہی میں قتل کرنے کے منصوبے بنائے گئے، تاکہ نہ آپ بچاؤ کر سکیں اور نہ قاتل کا پتا چل سکے۔ جنگلی جانوروں مثلاً شیر، چیتے، بھیڑیے وغیرہ اور حشرات الارض مثلاً سانپ، بچھو وغیرہ کا خطرہ رات کو زیادہ ہو جاتا ہے اور مچھر، کھٹمل وغیرہ رات کو جو تکلیف دیتے ہیں سب جانتے ہیں۔ ڈاکٹروں کی تحقیق کے مطابق اکثر بیماریوں کے جراثیم اندھیرے میں پیدا ہوتے ہیں اور سورج کی روشنی میں ہلاک ہو جاتے ہیں۔ اندھیرے میں وہمی چیزوں کا خوف مزید بڑھ جاتا ہے۔ ان سب پر مزید یہ کہ ان سب شرور کے اندھیرے میں واقع ہونے کی وجہ سے انسان ان سے اپنا بچاؤ بھی نہیں کر سکتا، اس لیے اندھیری رات کی برائیوں سے پناہ مانگنے کی تعلیم دی گئی۔

❸ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چاند دیکھا تو فرمایا: « يَا عَائِشَةُ! اسْتَعِيْذِيْ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّ هٰذَا، فَإِنَّ هٰذَا هُوَ الْغَاسِقُ إِذَا وَقَبَ » [ترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة المعوذتين : ۳۳۶۶، وصححه الترمذي والألباني]

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ ﴿۴﴾ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ﴿۵﴾

اور گرہوں میں پھونکنے والیوں کے شر سے ﴿۴﴾ اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرے ﴿۵﴾

''اے عائشہ! اس کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو، کیونکہ یہی "غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ" ہے۔'' اس صورت میں "غَاسِقٍ" کا معنی ''اندھیرے والا'' اور "اِذَا وَقَبَ" کا معنی " اِذَا غَابَ " ہے، یعنی ''جب غائب ہو جائے۔'' شاہ رفیع الدین نے ترجمہ یوں کیا ہے: ''اور برائی اندھیرا کرنے والے کی سے، جب وہ چھپ جائے۔'' یعنی چاند غروب ہو کر اندھیرا پھیلا دیتا ہے۔ بعض مفسرین نے "غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ" سے سورج مراد لیا ہے، کیونکہ سورج غائب ہو کر سخت تاریکی پھیلنے کا باعث بنتا ہے۔ بہرحال ان تفسیروں اور پہلی تفسیر میں کوئی تضاد نہیں، کیونکہ مراد تاریکی کے شر سے پناہ مانگنا ہی ہے۔

آیت 4 وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ: "النَّفّٰثٰتِ" "نَفَّاثَةٌ" کی جمع ہے جو "نَفَثَ يَنْفُثُ نَفْثًا" (ن، ض) (پھونک مارنا، جس کے ساتھ تھوڑی سی تھوک ہو) سے مشتق ہے، بہت پھونکیں مارنے والی عورتیں یا جماعتیں۔ اگر "نَفَّاثَةٌ" میں تاء "عَلَّامَةٌ" کی طرح مبالغے کے لیے ہو یا "النَّفّٰثٰتِ" سے مراد نفوس ہوں تو عورتوں کے علاوہ بہت پھونکیں مارنے والے مرد بھی مراد ہو سکتے ہیں۔ "الْعُقَدِ" "عُقْدَةٌ" کی جمع ہے، گرہیں۔ ابن جریر اور مفسرین سلف کے مطابق گرہوں میں پھونکیں مارنے والیوں سے مراد جادو کرنے والی عورتیں یا لوگ ہیں، کیونکہ انھوں نے جس پر جادو کرنا ہوتا ہے اس کے بال یا کوئی چیز حاصل کر کے اس پر جادو کرتے ہوئے کسی تانت یا دھاگے میں گرہیں ڈالتے جاتے اور منتر پڑھ پڑھ کر ان میں پھونکیں مارتے جاتے ہیں۔ ان کے شر سے خاص طور پر پناہ مانگنے کی تلقین اس لیے کی گئی کہ وہ چھپ کر وار کرتے ہیں۔ آدمی کو خبر ہی نہیں ہوتی کہ اسے تکلیف کیوں ہے، وہ بیماری سمجھ کر علاج معالجہ میں لگا رہتا ہے اور تکلیف بڑھتی جاتی ہے۔

بعض لوگوں نے کہا کہ "الْعُقَدِ" (گرہوں) سے مراد مردوں کے پختہ عزم اور ارادے ہیں اور "النَّفّٰثٰتِ" سے مراد یہ ہے کہ جس طرح تھوک کے ساتھ رسی کی گرہیں نرم کی جاتی ہیں اس طرح عورتیں اپنی چکنی چپڑی باتوں سے مردوں کے پختہ ارادوں کو بدل دیتی ہیں، اس آیت میں ان عورتوں کے شر سے پناہ مانگنے کی تلقین فرمائی گئی۔ یہ معنی پرلطف ہونے کے باوجود سلف کی تفسیر کے خلاف ہے اور اکثر یہ معنی کرنے والے وہ لوگ ہیں جو جادو سے نقصان پہنچنے کے قائل نہیں اور انھیں اپنے اس موقف پر اس قدر اصرار ہے کہ وہ بخاری و مسلم اور حدیث کی بہت سی دوسری کتابوں میں مروی حدیث کو ماننے ہی سے انکار کر دیتے ہیں جس میں مذکور ہے کہ لبید بن اعصم نے رسول اللہ ﷺ پر جادو کیا تھا اور آپ اس جادو کی وجہ سے کچھ عرصہ بیمار اور پریشان رہے تھے۔ [دیکھیے بخاري، كتاب الطب، باب هل يستخرج السحر؟: ۵۷۶۵، ۵۷۶۳]

آیت 5 ❶ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ: "حَسَدَ" کا معنی ہے کسی شخص پر اللہ کی نعمت سے جلنا کہ یہ نعمت اسے کیوں ملی اور اس کے زوال کی تمنا کرنا۔ پھر خواہ یہ خواہش یا کوشش ہو کہ وہ حسد کرنے والے کو ملے یا نہ ہو۔ قباحت کے لحاظ سے حسد کے کئی درجے ہیں، سب سے بدتر یہ ہے کہ کسی شخص کو اللہ نے جو نعمت دی ہے اس سے چھن جانے کی تمنا کے ساتھ

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ساتھ قول وعمل کے ذریعے سے یہ کوشش بھی کرے کہ وہ نعمت اس سے چھن جائے۔ پھر بعض کی کوشش ہوتی ہے کہ اس سے چھن کر مجھے مل جائے اور بعض کو اس سے غرض نہیں ہوتی، بلکہ وہ اسی پر خوش ہوتے ہیں کہ اس کے پاس یہ نعمت نہیں رہی۔ دوسرا یہ کہ عملی طور پر تو اسے نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کرے، لیکن دل میں یہ خواہش رکھے کہ اس کے پاس سے یہ نعمت نہ رہے۔ یہ دونوں صورتیں حرام ہیں۔

❷ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حاسد کے شر سے پناہ مانگتے وقت "اِذَا حَسَدَ" (جب وہ حسد کرے) کی قید کیوں لگائی؟ جواب یہ ہے کہ حاسد کے حسد کا نقصان دوسرے شخص کو اسی وقت ہوتا ہے جب وہ اپنے حسد کے تقاضے کے مطابق قول یا فعل سے اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کرے، یا حسد کے تقاضے کے مطابق یہ خواہش رکھے کہ اس سے وہ نعمت چھن جائے۔ حسد کی ایک صورت یہ ہے کہ دل میں خیال آتا ہے کہ فلاں شخص کو یہ نعمت کیوں ملی، مگر آدمی اس خیال کو ہٹا دیتا ہے، نہ اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا ہے اور نہ ایسا ارادہ یا خواہش رکھتا ہے کہ اس سے وہ نعمت چھن جائے، اس پر مؤاخذہ نہیں۔ ایسے خیالات آ ہی جاتے ہیں، کیونکہ انسان کی طبیعت میں یہ بات رکھ دی گئی ہے کہ وہ اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ اس کا کوئی ہم جنس کسی خوبی میں اس سے بڑھ کر ہو، تو جو شخص حسد کے تقاضے پر عمل نہ کرے بلکہ ایسے خیال آنے پر انھیں دور کرنے کی کوشش کرے اور محسود (جس کے ساتھ حسد ہو) کے ساتھ احسان کرے، اس کے لیے دعا کرے اور اس کی خوبیاں عام بیان کرنا شروع کر دے، تاکہ دل میں اس بھائی کے ساتھ حسد کے بجائے محبت پیدا ہو جائے تو اس کے شر سے پناہ مانگنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس کا حسد کے تقاضے پر عمل کرنے کے بجائے اس سے مقابلہ کرنا اور اسے دور کرنے کی کوشش کرنا تو ایمان کے اعلیٰ درجے کی علامت ہے اور حسد سے نجات پانے کا طریقہ بھی یہی ہے۔

❸ حسد کے حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حاسد دراصل اللہ تعالیٰ پر ناراض ہوتا ہے کہ اس نے اسے وہ نعمت کیوں دی۔ پھر بندے پر اس کے کسی جرم کے بغیر ناراض ہوتا ہے، کیونکہ اس نعمت کے حصول میں اس کا کچھ اختیار نہیں۔ تو حاسد دراصل اللہ کا بھی دشمن ہے اور اللہ کے بے گناہ بندوں کا بھی۔

❹ حسد کا علاج یہ ہے کہ بندہ سوچے کہ حسد کا نقصان دین و دنیا میں حسد کرنے والے ہی کو ہے، محسود کو کوئی نقصان نہیں، نہ دنیا میں نہ دین میں، بلکہ اسے دین و دنیا میں حاسد کے حسد سے فائدہ ہی حاصل ہوتا ہے۔ دین میں فائدہ یہ ہے کہ وہ مظلوم ہے، خصوصاً جب حاسد قول یا عمل سے اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کرے، تو قیامت کو اسے ظلم کا بدلا ملے گا اور ظالم حاسد نیکیوں سے مفلس رہ جائے گا اور دنیاوی فائدہ یہ ہے کہ لوگوں کی دلی خواہش یہ ہوتی ہے کہ ان کے دشمن غم و فکر اور عذاب میں مبتلا رہیں اور حاسد جس عذاب اور مصیبت میں گرفتار ہے اس سے بڑی مصیبت اور کیا ہو سکتی ہے؟ وہ ہر وقت حسد کی آگ میں جل رہا ہوتا ہے اور اطمینان اور دلی سکون سے محروم ہوتا ہے۔

❺ حسد آدمی کو اللہ کی نافرمانی کی طرف لے جاتا ہے، اہلِ علم فرماتے ہیں کہ آسمان میں اللہ تعالیٰ کی سب سے پہلی نافرمانی

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

حسد کی وجہ سے واقع ہوئی کہ ابلیس نے آدم علیہ السلام پر حسد کی وجہ سے اسے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اور زمین پر پہلی نافرمانی، یعنی آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں میں سے ایک کے دوسرے کو قتل کرنے کا باعث بھی یہی حسد تھا۔ برادرانِ یوسف نے یوسف علیہ السلام اور ان کے والدین پر جو ظلم کیا اس کا باعث بھی حسد تھا۔ یہودی لوگ یہ جانتے ہوئے بھی کہ محمد ﷺ رسول برحق ہیں، ایمان نہ لائے تو اس کا باعث بھی یہی حسد تھا اور یہی حسد تھا جس کی بنا پر انھوں نے رسول اللہ ﷺ پر جادو کر دیا۔ گرہوں میں پھونکنے والیوں کے شر کے پیچھے بھی عموماً حسد ہی کا جذبہ چھپا ہوتا ہے، اس لیے ان کے شر کے بعد حاسد کے شر سے پناہ مانگنے کی تلقین فرمائی۔

6 بعض اوقات حسد کا لفظ "غِبْطَةٌ" (رشک اور رئیس) کے معنی میں بھی آ جاتا ہے، یعنی کسی شخص پر اللہ تعالیٰ کی نعمت دیکھ کر یہ خواہش کرنا کہ مجھے بھی یہ نعمت مل جائے، لیکن یہ خواہش نہ ہو کہ اس سے وہ نعمت چھن جائے۔ یہ خواہش حرام نہیں، مگر صرف دو چیزوں میں رشک کرنا پسندیدہ ہے، ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ، رَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ الْقُرْآنَ فَهُوَ يَقُومُ بِهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ وَ رَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَهُوَ يُنْفِقُهُ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ » | مسلم، صلاة المسافرين و قصرها، باب فضل من يقوم بالقرآن ... : ۸۱۵۔ بخاري : ۵۰۲۵ | "حسد (رشک کرنا) نہیں مگر دو چیزوں میں، ایک وہ آدمی جسے اللہ نے قرآن دیا تو وہ رات کی گھڑیوں اور دن کی گھڑیوں میں اس کے ساتھ قائم رہتا ہے اور ایک وہ آدمی جسے اللہ نے مال دیا ہے تو وہ رات اور دن کی گھڑیوں میں اس میں سے (نیک کاموں میں) خرچ کرتا رہتا ہے۔"

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

سُوْرَةُ النَّاسِ ۱۱۴ مکیۃ ۲۱ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اٰيَاتُهَا ۶ رُكُوْعَاتُهَا ۱

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ① مَلِكِ النَّاسِ ② اِلٰهِ النَّاسِ ③

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے۔

تو کہہ میں پناہ پکڑتا ہوں لوگوں کے رب کی ① لوگوں کے بادشاہ کی ② لوگوں کے معبود کی ③

آیت 1 تا 3 ① قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ...... پناہ کا مطلب پچھلی سورت میں گزر چکا ہے۔ آدمی جب کسی سے خطرہ محسوس کرتا ہے تو سب سے پہلے اپنے کسی مُربّی (پرورش کرنے والے)، مثلاً ماں یا باپ کی پناہ لیتا ہے، ان سے چمٹ جاتا ہے، تاکہ وہ اسے بچا لیں۔ اگر وہ کمزور ہوں اور نہ بچا سکتے ہوں تو بادشاہ سے بچانے کی درخواست کرتا ہے اور اس کی پناہ لیتا ہے، کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ بادشاہ اپنی قوت اور فوج کے ذریعے سے اسے بچا سکتا ہے۔ اگر نظر آ رہا ہو کہ اس خطرے سے بچانا بادشاہ کے بس کی بات بھی نہیں تو پھر اس ہستی کی پناہ لیتا ہے جسے وہ غیبی قوتوں کا مالک سمجھتا اور جس کی عبادت کرتا ہے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ دنیوی اسباب ختم ہونے کے بعد اسے اس کے علاوہ کہیں سے پناہ نہیں مل سکتی۔

اس سورت میں وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے پناہ لینے کے لیے اللہ تعالیٰ کی تین صفات کے ساتھ پناہ پکڑنے کی تعلیم دی گئی ہے کہ اگر اپنے کسی پرورش کرنے والے کی پناہ پکڑنا چاہو تو بجائے اس کے کہ کسی ایسے شخص کی پناہ پکڑو جو کسی ایک آدھ یا چند آدمیوں کی پرورش کر رہا ہو اور حقیقت میں وہ خود محتاج ہو، تم اس کی پناہ پکڑو جو سب لوگوں کا رب اور سب کی پرورش کرنے والا ہے، جو کسی کا محتاج نہیں اور سب اس کے محتاج ہیں۔ اگر کسی صاحبِ قوت بادشاہ کی پناہ پکڑنا چاہو تو بجائے اس کے کہ ان بادشاہوں کی پناہ پکڑو جو فوجوں کے محتاج ہیں، جن کا اقتدار محدود اور عارضی ہے اور جن کی اپنی زندگی اور اپنا نفع و نقصان ان کے ہاتھ میں نہیں، تم اس کی پناہ پکڑو جو تمام لوگوں کا بادشاہ ہے اور اس کی قوت اور بادشاہی کسی فوج یا سالار کی محتاج نہیں اور اگر کسی ایسی ہستی کی پناہ لینا چاہو جسے غیبی قوتوں کا مالک ہونے کی وجہ سے تم عبادت کا حق دار سمجھتے ہو تو وہ صرف اور صرف ایک ہی ہے، جو تمام لوگوں کا معبود برحق ہے اور صرف وہی تمھیں ان خطرات میں پناہ دے سکتا ہے جن کے سامنے تمام مُربّی اور تمام بادشاہ بے بس ہو جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ نہ کوئی غیبی قوتوں کا مالک ہے، نہ کائنات کی کسی چیز میں کسی دوسرے کا دخل ہے اور نہ کسی کا حق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے۔

② سورۂ فلق میں اللہ تعالیٰ کی ایک صفت "بِرَبِّ الْفَلَقِ" کے ساتھ ساری مخلوق کے شر سے عموماً اور مخلوق میں سے تین چیزوں کے شر سے خصوصاً پناہ مانگی گئی ہے، یعنی اندھیری رات، گرہوں میں پھونکنے والیوں اور حاسد کے شر سے اور اس سورت میں صرف ایک چیز یعنی ہٹ ہٹ کر وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے اللہ تعالیٰ کی تین صفات کے ساتھ پناہ مانگی گئی، کیونکہ پہلی تینوں چیزیں انسان کے جسم و جان کو نقصان پہنچانے والی ہیں، جب کہ وسوسہ اس کے ایمان کو نقصان پہنچانے والا ہے اور ایمان کی حفاظت کی فکر جسم و جان سے بھی اہم ہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ الْخَنَّاسِ ۝۴

وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے، جو ہٹ ہٹ کر آنے والا ہے ④

③ پہلی تین آیات میں "النَّاسِ" کا لفظ بار بار لایا گیا ہے، حالانکہ "بِرَبِّ النَّاسِ" کے بعد والی آیات میں "النَّاسِ" کی ضمیر بھی لائی جا سکتی تھی۔ اس میں حکمت یہ معلوم ہوتی ہے (واللہ اعلم) کہ لوگوں کے وسوسے کا شر اتنا خوف ناک ہے کہ بندہ بار بار اس کا حوالہ دیتا ہے کہ یا اللہ! لوگوں کا رب بھی تو ہے، لوگوں کا بادشاہ بھی تو ہے اور لوگوں کا الٰہ بھی تو ہے، اس لیے لوگوں کے شر سے پناہ بھی تو ہی دے سکتا ہے۔ اس سورت میں ان تینوں صفات کی پناہ پکڑتے وقت ضمناً بھی بار بار لوگوں کے شر سے پناہ مانگی گئی ہے، پھر "مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ......" کے ساتھ صاف لفظوں میں بھی لوگوں کے وسوسے کے شر سے پناہ مانگی گئی ہے۔ تفسیر قاسمی میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور شیخ ناصر سے ایک اور حکمت نقل کی گئی ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ پناہ مانگنے والے بھی چونکہ لوگ ہیں، اس لیے پناہ مانگتے وقت بار بار ان نسبتوں کا حوالہ دیا جا رہا ہے جو اللہ تعالیٰ کے درمیان اور لوگوں کے درمیان موجود ہیں کہ یا اللہ! تو لوگوں کا رب بھی ہے، لوگوں کا بادشاہ بھی اور لوگوں کا معبود برحق بھی، تو جب لوگوں کا سبھی کچھ تو ہی ہے تو تیرے علاوہ انھیں پناہ دینے والا اور کون ہو سکتا ہے؟ (قاسمی)

آیت 4 ① مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ الْخَنَّاسِ: "الْوِسْوَاسِ" واؤ کے کسرہ کے ساتھ ہو تو یہ "وَسْوَسَ يُوَسْوِسُ" کا مصدر ہے، وسوسہ ڈالنا، جیسے "زِلْزَالٌ" (زاء کے کسرہ کے ساتھ) ہے، سخت ہلانا۔ (زمخشری) یہاں "الْوَسْوَاسِ" واؤ کے فتحہ کے ساتھ ہے، یہ مصدر نہیں بلکہ صفت ہے، جو اسم فاعل کے معنی میں ہے، بہت وسوسہ ڈالنے والا، جس طرح "ثَرْثَارٌ" (بہت باتیں کرنے والا) اور "دَحْدَاحٌ" (بہت چھوٹے قد والا) وغیرہ ہیں۔ (تفسیر ابن قیم)

② "الْوَسْوَاسِ" مضاعف رباعی ہے، اس کے مفہوم میں تکرار (بار بار وسوسہ ڈالنا) شامل ہے، جس طرح "زَلْزَلَ" کے مفہوم میں بار بار ہلانا اور "ثَرْثَرَ" میں بولتے چلے جانا شامل ہے۔ "الْوَسْوَاسِ" کا معنی بہت وسوسہ ڈالنے والا جو بار بار وسوسہ ڈالتا ہے۔

③ "وَسْوَسَةٌ" کا اصل معنی وہ ہلکی یا دبی ہوئی حرکت یا آواز ہے جو عام طور پر محسوس نہ ہوتی ہو۔ اس سے مراد وہ بات بھی ہوتی ہے جو بالکل آہستہ آواز سے کسی کے کان میں کہی جائے اور صرف اسی کو سنائی دے اور وہ بھی جو آواز کے بغیر کسی کے دل میں ڈال دی جائے، جیسے شیطان انسان کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے۔

④ "الْخَنَّاسِ" "خَنَسَ يَخْنِسُ" (ض، ن) پیچھے ہٹنا، ہٹانا۔ سورۂ تکویر میں ستاروں کو "الْخُنَّسُ" فرمایا ہے، کیونکہ وہ روزانہ مغرب میں غروب ہوتے ہیں، پھر پیچھے ہٹتے ہوئے دوبارہ مشرق سے نمودار ہو جاتے ہیں۔ "الْخَنَّاسِ" مبالغے کا صیغہ ہے، یعنی بہت پیچھے ہٹنے والا۔ اس سے یہ بات خود بخود سمجھ میں آ رہی ہے کہ وہ ایک دفعہ ہی وسوسہ ڈال کر پیچھے نہیں ہٹ جاتا، بلکہ بار بار وسوسہ ڈالتا، بار بار پیچھے ہٹتا اور پھر ہٹ ہٹ کر وسوسہ ڈالتا ہے۔ شیطان کو "الْوَسْوَاسِ ۙ الْخَنَّاسِ" اس

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۙ﴿۵﴾

وہ جو لوگوں کے سینوں میں وسوسہ ڈالتا ہے ﴿۵﴾

لیے کہا گیا ہے کہ وہ آدمی کے دل میں بُرے خیالات ڈالتا ہے، جب وہ اللہ کا ذکر کرے تو پیچھے ہٹ جاتا ہے، جب ذکر سے غافل ہو تو دوبارہ لوٹ کر وسوسہ ڈالنا شروع کر دیتا ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: « إِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلَاةِ أَدْبَرَ الشَّيْطَانُ وَلَهُ ضُرَاطٌ، حَتّٰى لَا يَسْمَعَ التَّأْذِيْنَ ، فَإِذَا قُضِيَ النِّدَاءُ أُقْبِلَ، حَتّٰى إِذَا ثُوِّبَ بِالصَّلَاةِ أَدْبَرَ ، حَتّٰى إِذَا قُضِيَ التَّثْوِيْبُ أُقْبِلَ حَتّٰى يَخْطُرَ بَيْنَ الْمَرْءِ وَنَفْسِهِ ، يَقُوْلُ اذْكُرْ كَذَا ، اذْكُرْ كَذَا، لِمَا لَمْ يَكُنْ يَذْكُرُ ، حَتّٰى يَظَلَّ الرَّجُلُ لَا يَدْرِيْ كَمْ صَلّٰى » [بخاري، الأذان، باب فضل التأذين : ٦٠٨] ''جب نماز کے لیے اذان ہوتی ہے تو شیطان گوز مارتا ہوا پیٹھ دے کر بھاگ جاتا ہے، تاکہ اذان نہ سنے۔ جب اذان پوری ہوتی ہے تو آ جاتا ہے، پھر جب نماز کی اقامت ہوتی ہے چلا جاتا ہے، جب اقامت مکمل ہوتی ہے تو واپس آ کر آدمی اور اس کے دل کے درمیان خیالات ڈالنا شروع کر دیتا ہے۔ کہتا ہے فلاں چیز یاد کر، فلاں چیز یاد کر، وہ چیزیں جو اسے یاد نہیں تھیں، یہاں تک کہ آدمی کی حالت یہ ہو جاتی ہے کہ اسے یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ اس نے کتنی نماز پڑھی ہے۔'' معلوم ہوا کہ آدمی نماز میں دل سے حاضر نہ ہو تو شیطان اپنا کام جاری رکھتا ہے۔ وہ صرف اس ذکر سے پیچھے ہٹتا ہے جس میں زبان کے ساتھ دل بھی شریک ہو۔

آیت 5 ❶ **الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ:** وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے پناہ مانگنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اس بات سے اللہ کی پناہ مانگے کہ وہ اس کے دل میں کوئی وسوسہ ڈال دے اور اسے راہِ حق سے ہٹا دے اور اس بات سے بھی کہ وہ لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈال کر انھیں اس کے خلاف بھڑکا دے، جس کے نتیجے میں دین پر عمل کرنے اور اس کی دعوت دینے کے راستے میں وہ اس کے لیے رکاوٹ بن جائیں۔ دونوں صورتوں میں اللہ تعالیٰ ہی اس کے شر سے بچا سکتا ہے، اس لیے اسی کی پناہ مانگنے کی تعلیم دی گئی ہے۔

❷ آدمی کوئی نیکی کرے یا برائی اس کا آغاز دل میں اس کا خیال پیدا ہونے سے ہوتا ہے، خیال جما رہے تو وہ خواہش کو ابھارتا ہے، خواہش سے ارادہ بنتا ہے، ارادہ پختہ ہو جائے تو عزم بنتا ہے، عزم نیت کا باعث ہوتا ہے، نیت اعضا کو عمل کے لیے حرکت میں لے آتی ہے اور آخری مرحلہ اس نیکی یا بدی پر عمل کا ہوتا ہے۔ دل میں پیدا ہونے والا یہ خیال اگر نیکی کا ہو تو رحمان کے مقرر کیے ہوئے فرشتے کی طرف سے ہوتا ہے اور الہام کہلاتا ہے، اگر بدی کا ہو تو وسوسہ کہلاتا ہے اور یہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔ ان دونوں کا فرق اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ اگر وہ خیال کتاب و سنت کی رُو سے نیکی کا کام ہے تو الہام ہے، ورنہ وسوسہ۔ وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے پناہ مانگنے کی تعلیم اس لیے دی گئی کہ جہاں سے برائی شروع ہوتی ہے وہیں تم اللہ کی پناہ میں چلے جاؤ، تاکہ اللہ تعالیٰ شروع ہی میں تمھیں اپنی پناہ میں لے لے۔ جس سے نہ وہ وسوسہ دل میں جگہ پکڑے گا

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ ۝٦

جنوں اور انسانوں میں سے ۝٦

اور نہ بعد کے مراحل کی نوبت آئے گی۔

3 وسوسہ ڈالنے والوں کا شر صرف ایک ہی قسم کا نہیں ہوتا، بلکہ وہ کئی طرح سے آدمی کو راہِ حق سے ہٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ اور دوسرے اہلِ علم نے اس کی کئی صورتیں بیان کی ہیں۔ سب سے پہلے تو وہ آدمی کو صریح کفر و شرک اور اللہ اور اس کے رسول کی بغاوت اور دشمنی پر آمادہ کرتے ہیں، اگر اس میں ناکام ہوں اور آدمی ایمان پر قائم رہے تو وہ اسے دوسرے شر یعنی بدعت میں پھنسانے کی کوشش کرتے ہیں۔ بدعت میں مبتلا کرنا انھیں آدمی کو بڑے سے بڑے گناہ میں مبتلا کرنے سے بھی زیادہ پسند ہے، کیونکہ یہ ایسا گناہ ہے جسے آدمی نیکی سمجھ کر کرتا ہے۔ اگر وہ سنت پر قائم رہے تو اسے کسی نہ کسی کبیرہ گناہ سے آلودہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں، خصوصاً اگر وہ دینی عالم ہو، تاکہ بدنام ہو کر دین کا کام نہ کر سکے۔ اگر اس میں بھی کامیاب نہ ہوں تو چھوٹے گناہوں کی رغبت دلاتے ہیں، تاکہ وہ انھیں معمولی سمجھ کر ان کے بوجھ تلے دب جائے۔ یہ بھی نہ کر سکیں تو نیکی کے کاموں سے ہٹا کر ان کاموں میں لگانے کی کوشش کرتے ہیں جن میں نہ ثواب ہے نہ عذاب اور اس طرح اس کی عمر برباد کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اگر وہ اپنے وقت کو بے کار کاموں میں لگانے پر کسی صورت آمادہ نہ ہو تو نیکی کے بڑے کام سے ہٹا کر چھوٹے کام میں لگانے کی کوشش کرتے ہیں، مثلاً دعوت و جہاد سے ہٹا کر نفلی نماز روزے میں لگا دیتے ہیں۔ یہ بھی نہ ہو سکے تو دل میں ریا یا اپنے عمل پر غرور پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر وہ کسی صورت ان کے قابو میں نہ آئے تو شیطان اور اس کے وہ چیلے بے شمار طریقوں سے اسے بدنام کرنے اور تکلیف پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ کچھ نہ ہو سکے تو اسے غصہ دلا کر فہم و شعور سے بیگانہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس وقت بھی اگر وہ اللہ کی پناہ میں چلا جائے تو ان کی تمام کوششیں ناکام ہو جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَ اِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ﴾ [الأعراف: ۲۰۰] ''اور اگر تجھے شیطان کی طرف سے کوئی چوکا لگے (یعنی شیطان تجھے غصہ دلائے) تو اللہ کی پناہ مانگ۔'' غرض موت تک یہ دشمن اپنی دشمنی سے باز نہیں آتے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں آخر وقت تک اپنی پناہ میں رکھے۔ (آمین)

آیت 6 مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ: لوگوں کے سینوں میں وسوسہ ڈالنے والے شیطان جن بھی ہوتے ہیں اور انسان بھی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ﴾ [الأنعام: ۱۱۲] ''اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے انسانوں اور جنوں کے شیاطین کو دشمن بنا دیا، ان کا بعض بعض کی طرف ملمع کی ہوئی بات دھوکا دینے کے لیے دل میں ڈالتا رہتا ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے ہر آدمی کے ساتھ ایک جن شیطان اور ایک فرشتہ مقرر کر رکھا ہے، شیطان کا کام برائی کا وسوسہ ڈالنا اور فرشتے کا کام بھلائی کا الہام کرنا ہے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَا مِنْكُمْ مِّنْ أَحَدٍ إِلَّا وَقَدْ وَكَّلَ اللّٰهُ بِهِ قَرِيْنَهُ مِنَ الْجِنِّ، قَالُوْا

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

وَ إِيَّاكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ!؟ قَالَ وَ إِيَّايَ إِلَّا أَنَّ اللّٰهَ أَعَانَنِيْ عَلَيْهِ فَأَسْلَمَ فَلَا يَأْمُرُنِيْ إِلَّا بِخَيْرٍ » [مسلم، صفة القيامة، باب تحريش الشيطان..... : ٢٨١٤] ''تم میں سے ہر ایک کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے جنوں میں سے اس کا ایک قرین (ساتھی) مقرر کر رکھا ہے۔'' صحابہ نے پوچھا: ''یا رسول اللہ! اور آپ کے ساتھ بھی وہ مقرر ہے؟'' آپ نے فرمایا: ''ہاں، میرے ساتھ بھی ہے، مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے مقابلے میں میری مدد کی ہے تو وہ تابع ہو گیا ہے اور وہ مجھے خیر کے علاوہ کوئی حکم نہیں دیتا۔'' صحیح مسلم کی اسی حدیث میں سفیان سے مروی یہ الفاظ ہیں: « وَقَدْ وُكِّلَ بِهِ قَرِيْنُهُ مِنَ الْجِنِّ وَ قَرِيْنُهُ مِنَ الْمَلَائِكَةِ » [مسلم، صفة القيامة، باب تحريش الشيطان..... : ٢٨١٤] ''(ہر آدمی کے ساتھ) جنوں سے اس کا قرین (ساتھی) اور فرشتوں سے اس کا قرین (ساتھی) مقرر کیا گیا ہے۔'' رسول اللہ ﷺ نے دو انصار صحابہ سے فرمایا: « إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِيْ مِنَ الْإِنْسَانِ مَجْرَى الدَّمِ، وَ إِنِّيْ خَشِيْتُ أَنْ يَّقْذِفَ فِيْ قُلُوْبِكُمَا سُوْءًا أَوْ قَالَ شَيْئًا » [بخاري، بدء الخلق، باب صفة إبليس و جنوده : ٣٢٨١] ''شیطان انسان میں خون کی طرح گردش کرتا ہے اور میں ڈرا کہ وہ تمھارے دلوں میں کوئی وسوسہ، یا فرمایا کوئی چیز ڈال دے گا۔'' شیطان اور اس کا جنّی قبیلہ انسانوں کی نگاہوں سے مخفی رہ کر فتنہ انگیزی کر سکتا ہے اور کرتا ہے۔ (دیکھیے انعام: ۲۷) رہے انسانی شیطان تو وہ ہمیشہ چھپ کر تو حملہ آور نہیں ہو سکتے، مگر اپنی باتوں اور طرزِ عمل سے وسوسہ ڈالتے اور دل میں برائی کا بیج بو دیتے ہیں۔

دوسرے وسوسہ ڈالنے والوں کے علاوہ انسان کا اپنا نفس بھی وسوسہ ڈالتا ہے۔ اس کی غلط خواہشات اور بداعمالیاں اسے برائی کے لیے اُکساتی اور اُبھارتی ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَ نَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ﴾ [ق: ١٦] ''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے انسان کو پیدا کیا اور ہم ان چیزوں کو جانتے ہیں جن کا وسوسہ اس کا نفس ڈالتا ہے۔'' رسول اللہ ﷺ اپنے خطبے میں فرمایا کرتے تھے: « وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا » [ابن ماجه، النكاح، باب خطبة النكاح : ١٨٩٢ ـ ترمذي : ١١٠٥، وصححه الألباني] ''اور ہم اپنے نفس کی برائیوں سے اور اپنے اعمال کی برائیوں سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔'' ان تمام وسوسہ ڈالنے والوں سے، خواہ وہ شیاطین الجن ہوں یا شیاطین الانس یا خود آدمی کا نفس ہو، اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنی چاہیے، کیونکہ وہی ان کے شر سے بچا سکتا ہے۔

www.KitaboSunnat.com

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

Dar-ul-Andlus

دارالاندلس

4-لیک روڈ چوبرجی لاہور
042-37230549

غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
+92-42-37242314

Head Off: +92-42-35062910 Cell: +92-322-4006412